صدائے جرس
مجموعۂ کلام

حاجی عبدالکریم احسان

Acc. No.
450

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں

کتاب — صدائے جرس

صفحات — ۱۷۶

مصنف — عبدالکریم احسان

اشاعت — جنوری ۱۹۹۴ء

تعداد — پہلی بار پانچ سو (۵۰۰)

کتابت — مشتاق احمد

سرورق — ولی محمد صدیقی ART SPAN جمال مارکٹ حیدرآباد ۲

طباعت لیتھو — دائرہ پریس چھتہ بازار حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲

طباعت سرورق — کرشمہ آفسیٹ پرنٹرس خیریت آباد حیدرآباد

جلد سازی — حفیظیہ بک بائنڈنگ چھتہ بازار حیدرآباد ۲

قیمت — پچاس روپے =/RS 50

بہ اہتمام — محبوب علی خاں اخگر قادری

ملنے کے پتے

- حسامی بک ڈپو مچھلی کمان حیدرآباد ۲
- اسٹوڈنٹس بک ہاؤس چار کمان حیدرآباد ۲
- مصنف ۹ سی/۴۰/۱-۱ کملیا درگ ضلع اننت پور ۵۱۵۷۶۱
- "بیت النظر" ۲۳۰۲۰۱۹۰ مغل پورہ حیدرآباد ۲

فہرست

زندگانی میری کیا ہے مہربانی آپ کی ۱۴۶
ہاتھ سے اپنے پلا دے مجھے جام اے ساقی ۱۴۷
فکر کیوں ہے وہ اک کہانی تھی ۱۴۸
کیا جانے کوئی کس طرح دنیا کی کل چلے ۱۴۹
ایسی ہے گزرتی ہوئی دنیا مرے آگے ۱۵۰
وقت کی بات ہے جو وقت برا ہوتا ہے ۱۵۱

اسی شرط پر کوئی دنیا میں آئے ۱۵۷
عشق میں راز کبریائی ہے ۱۵۹
گھر کے جب کالی گھٹا چھائی ہے ۱۶۰

محبت ہو اگر دل میں تو غم سے پیار ہوتا ہے ۱۶۱
ہاتھ سے گیسو کو لہرا کے ہنسے ۱۶۳
حقیقت کیا تھی دنیا کی مرے شبیر کے آگے ۱۶۴
ہم نہیں ہیں پستیوں میں گردشِ ایام سے ۱۶۵
وہ مومن ہے جو دل کو نورِ ایماں سے سجاتا ہے ۱۶۶
کوئی دنیا میں آکر اس قدر غافل نہ بن جائے ۱۶۸
یا الٰہی ہمیں ہوا کیا ہے ۱۶۹
جس طرح نکلوں میں دنیا کی خبر ہو جائے ۱۷۱
کب کسی کی حیات باقی ہے ۱۷۳
بیٹھا ہوں آگے حسن کے کیا کیا لیے ہوئے ۱۷۴
دامن ترا وحشت میں اگر چاک نہیں ہے ۱۷۵
جب میرے شعر درد کے سانچوں میں ڈھل گئے ۱۷۶

- - - - - - - - - - - - - -

حاجی عبدالکریم احسان

اپنے والدین کے نام ....

جو

علمی ذوق و شوق رکھتے تھے اور سب پر مہربان تھے

احسانؔ بہ یک نظر

نام	:- عبدالکریم احسانؔ
تخلص	:- احسانؔ
ولدیت	:- حاجی محمد حسین
تاریخ پیدائش	:- ۱۵ ر جون ۱۹۲۵ء
مقام پیدائش	:- ادھونی
تعلیم	:- انٹرمیڈیٹ اننت پور کالج ۱۹۴۲ء
پیشہ	:- موظف ڈپٹی تحصیلدار
تلمذ	:- حضرت نظیر علی عدیلؔ حیدرآباد

پہلی صدائے جرس

زیر نظر مجموعہ کلام میرے عزیز اور دیرینہ دوست جناب الحاج عبدالکریم صاحب احسان کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔ صاحب موصوف سے میری شناسائی تقریباً ایک ربع صدی پرانی ہے جبکہ میں گورنمنٹ کالج اننت پور پر مامور تھا۔ غالباً ۱۹۶۸ء میں انہوں نے شاعری کی ابتدا کی تھی اور بالکل ابتدائی کلام میری نظر سے گزرا تھا۔ یوں تو شاعری کا ملکہ ان کی طبیعت میں موجود تھا مگر اغلب ہے کہ سرکاری ملازمت کی مصروفیتوں اور مناسب ادبی ماحول و حوصلہ افزائی کی عدم موجودگی سے یہ ذوق پروان نہ چڑھ سکا۔ اننت پور کے دوران قیام انہیں مناسب ماحول ملا اور فطری ذوق کے پیش نظر انہوں نے باقاعدہ مشق سخن شروع کردی۔ متعدد ادبی انجمنوں کی معتمدی اور صدارت کے عہدے سنبھالے۔ اور اس دوران کئی ایک مشاعرے بڑے اچھے پیمانے پر منعقد کئے جو نہایت کامیاب رہے اسی لگن کا نتیجہ ہے کہ آخر کار یہ مجموعۂ کلام ترتیب پایا اور ان کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔

اس مجموعہ کی اصلاح کا کام ایک ماہر فن جناب سید نظیر علی عدیل حیدرآبادی کے ہاتھوں انجام پایا ہے جس سے کلام کو اور ضیا مل گئی ہے مجموعی طور پر کلام شاعر موصوف کے وسیع ادبی و مذہبی مطالعہ، باریک بینی، ذہن رسا اور فطری میلان کا واضح عکس ہے

اس مختصر سے مجموعے میں شاعر موصوف نے کیا کچھ اور کس انداز سے
پیش کیا ہے اور کس حد تک وہ قارئین تک اپنے خیالات پہنچا پائے ہیں اس
کا صحیح اندازہ تو کلام کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد ہی ہو سکے گا۔ اپنی بیشتر غزلیات
میں جو اظہار خیال انہوں نے کیا ہے وہ ایک کامیاب کوشش ہے اور حتی الامکان
خیالات مافی الضمیر کو نبھانے کی سعی کی ہے۔ اس مجموعہ کی اشاعت پر میں موصوف
کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے یہ امید رکھوں گا کہ اس کو قارئین پسند کریں گے
[illegible]

مخلص و خیر اندیش

سید اقبال بادشاہ قادری ایم اے ایم ایڈ
لیکچرار اردو گورنمنٹ ڈگری کالج
کدری (اننت پور)

حمد باری تعالیٰ

دونوں جہاں بنائے
شایانِ شاں بنائے
گلشن کی ہر کلی میں تیرا ظہور پایا
کچھ جانتے نہ تھے ہم تو نے ہمیں سکھایا
عرشِ بریں پہ ان کو نورِ ازل دکھایا
مستور تو کہاں ہے
ہر ذرّے سے عیاں ہے

ارض و سما کا خالق
ہر دوسرا کا خالق
کوہ و شجر بھی تیرے ہیں بحر و بر بھی تیرے
یہ ہیں جو آسماں پر شمس و قمر بھی تیرے
روئے زمیں کے ساکن جن و بشر بھی تیرے
مشرق سے تا بہ مغرب
تو ہے ہر ایک جانب

ہر طائرِ گلستاں
دن رات ہے ثنا خواں
حمد و ثنا خدا کی پیشِ نظر ہے سب کے
نغمے الگ الگ ہیں لیکن ہے خاص ڈھب کے
دیکھا نہیں ہے رب کو شیدا مگر ہیں رب کے
سب کا ہے تو سہارا
سب کو ہے تو ہی پیارا

تیرے بغیر ہم کیا
تو ہے تو ہم کو غم کیا
ہے یہ زمیں ہماری اور آسماں ہمارا
ہم ہیں جہاں کے وارث ہے یہ جہاں ہمارا
کیوں فکر ہو کہ جب ہے تو پاسباں ہمارا
جیسا ہے نام تیرا
ویسا ہے کام تیرا

تو ہے عظیم و برتر!
ہم کو ہے ناز تجھ پر
مٹی سے ہم کو تو نے انساں بنا دیا ہے
دے دی ہے پھر طلاقت احساں بڑا کیا ہے
کیا شکر ہم کریں گے طاقت ہی ہم میں کیا ہے
اعزاز یہ نہیں کم
تیرے ہیں اے خدا ہم

تیری مدح سرائی
مشکل ہے انتہائی

میں ہوں حقیر بندہ میری بساط کیا ہے
نبیوں سے بھی ثنا کا حق کب ادا ہوا ہے
آخر میں سب نے تھک کر اتنا ہی بس کہا ہے

ہے سب میں نور تیرا
سب میں ظہور تیرا

○

نعتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

وہ محبوبِ خدا ہیں ان پہ رحمت ناز کرتی ہے
محبت الٰہی ہے سبب محبت ناز کرتی ہے

عبادت کے طریقے آپ نے ایسے سکھائے ہیں
عبادت کے سلیقے پر عبادت ناز کرتی ہے

گواہی دے رہا ہے کیا مؤذّن غور سے سن لو
گواہی ہے یہ وہ جس پر حقیقت ناز کرتی ہے

بجا اپنی جگہ ہو حسنِ یوسف یا یدِ بیضا
مگر حسنِ محمد پر تو قدرت ناز کرتی ہے

خدا کے بعد یکتا ہیں نہیں ثانی کوئی ان کا
ہے یکتائی بھی کچھ ایسی کہ وحدت ناز کرتی ہے

تعجب کیا زمانے کو ہے ان پر ناز اگر احساں
خدا ہے ان پہ نازاں اور قدرت ناز کرتی ہے

غزلیات

کوئی احسان اگر کرے تم پر
تم بھی بدلہ چکاؤ احسان سے
ہے یہ احسان کا مرتبہ احسان
آشکارا ہوا ہے قرآں سے
احسان

○

عشق میں اک کے بعد اک غم ہے
عشق کیا ہے عذابِ پیہم ہے

ختم ہوتا ہے زندگی کا سفر
وقتِ آخر ہے آنکھ پرنم ہے

لوگ چلتے ہیں راہِ باطل پر
اس لئے کائنات برہم ہے

زخم دل کی نہیں ہے فکر مجھے
ان کی نظروں میں اس کا مرہم ہے

کیا نتیجہ کوئی نکال سکے
زندگی کی جو بات مبہم ہے

دیکھ لیجے مریضِ فرقت کو
اب تو اس کا کچھ اور عالم ہے

اس ترقی کے دور میں احساں
ہے بہت کچھ مگر حیا کم ہے

○

○

خیالِ خام کو تیرے پشیماں کر کے چھوڑوں گا!
چراغِ حق جلا کر پھر چراغاں کر کے چھوڑوں گا

تری وحدت کے گونج اٹھنے کا ساماں کر کے چھوڑوں گا
ز مشرق تا بہ مغرب عام ایماں کر کے چھوڑوں گا

ترے دل میں نہیں سوزش نظر بھی اُلجھی اُلجھی ہے
تری رنگت کو میں رنگِ بہاراں کر کے چھوڑوں گا

مخالف ہے زمانہ، ہر طرف ہے ایک ویرانہ!
مگر میں اس کھنڈر کو اک گلستاں کر کے چھوڑوں گا

اسی طوفان میں مجھ کو سمندر پار کرنا ہے
خدا چاہے تو میں کچھ ایسے ساماں کر کے چھوڑوں گا

جسے کہتے ہیں دنیا ہے وہ اک دار العمل احساں
یہاں احکام کو اس کے نمایاں کر کے چھوڑوں گا

○

تمنا دید کی ہے دید کے قابل نہیں ملتا
بہت ڈھونڈا ہے لیکن مرشدِ کامل نہیں ملتا

زمانے میں نظر آتا نہیں فاروقؓ سا عادل
نہیں ملتا کوئی حاکم، کوئی عامل نہیں ملتا

رخِ انور کے شیدائی وہ پروانے محمدؐ کے
اطاعت کے لئے ان کی طرح قابل نہیں ملتا

بھٹک کر راہ سے اپنی پھرا کرتے ہیں آوارہ
جو پہنچا دے ہمیں منزل پہ وہ کامل نہیں ملتا

تمنا دل ہی دل میں ہے کبھی پوری نہیں ہوتی
مری حسرت مرے ارمان کا حاصل نہیں ملتا

زمانے میں اخوت کا ہی رشتہ سب سے افضل ہے
مگر دل سے اخوت کا کوئی قائل نہیں ملتا

عمل ہی جب نہیں احساں صبا کیں کچھ نہیں حاصل
نہ آئے تیرنا جس کو اسے ساحل نہیں ملتا

ابل کوئی برتر نہیں ہوتا
ہمسر نہیں ہوتا

وہ ہے قادرِ مطلق
لتر نہیں ہوتا

مساجد کو بھی کھل کر
ان پر نہیں ہوتا

کرتا وہ جہاں میں
ـدر نہیں ہوتا

ہے وہ کیسے ہو ظاہر
بھل کر نہیں ہوتا

○

بن گیا کُن سے جہاں قادر ہے وہ تعمیر کا
بانیٔ کون و مکاں، خالق ہے ہر تصویر کا

آنکھ ان سے ملتے ہی ایمان لے آئے عمرؓ
ان کے حق میں ہو گیا اک معجزہ تقدیر کا

ہم نہیں ہوں گے تو زنداں کاٹنے کو آئے گا
ہے ہمارے پاؤں سے شور و شغب زنجیر کا

جس کو چاہے دے وہ عزت اور ذلت غیب سے
وہ ملا یوسف کو سجدہ خواب کی تعبیر کا

تھا جو کل تک رازداں اب ہے وہی میرا رقیب
کیوں بنایا ہے نشانہ مجھکو اپنے تیر کا

حادثہ اک موت کا دیکھا عجب عطارؔ نے
قصۂ ذوقِ فنا باعث ہوا توقیر کا

خوب چھیڑا سازِ دل کو میرؔ نے دیوان میں
وہ گیا لکھنو مگر دہلی میں گھر تھا میرؔ کا

ہے فضا میں آج کل اک برق کے ذروں کا کھیل
اک تماشہ ہو گیا تقدیر کا تدبیر کا

ڈھونڈتا ہوں کیوں نہ جانے تجھکو میں اپنے سے دور
ہے رگِ جاں میں تو کیسے ہو گزر رہگیر کا

بڑھ کے اے احساں مٹا دے اپنا یہ نقشِ خودی
تاکہ رہ جائے یہاں پیکر تری تصویر کا

جب کیا ہے عشق تو روتا ہے کیا
عمر اپنی مفت میں کھوتا ہے کیا

ہائے غفلت بندگی سے اس قدر
نیند میں یوں ہی پڑا سوتا ہے کیا

ہوں خدا کے فضل کا امیدوار
دیکھنا اب حشر میں ہوتا ہے کیا

تیری آنکھوں سے رواں ہے کیوں لہو
درد ہے کس بات کا روتا ہے کیا

دل کو اپنے تو بنا لے آئینہ
پھر تماشہ دیکھ لے ہوتا ہے کیا

تو خلیفہ ہے یہاں اللہ کا!
کر نگہہ چاروں طرف سوتا ہے کیا

دیکھ انساں علم رکھتا ہے خدا
عمر اپنی بے عمل کھوتا ہے کیا

کیا پریشانی ہے آخر کیوں پریشاں رہ گیا
ہو نہ ہو دل میں کسی کا درد پنہاں رہ گیا

ہند کی تاریخ میں گزرا ہے اک مغلوں کا دور
اب نہیں شاہِ جہاں بس تاج ذیشاں رہ گیا

کونسی تکلیف تھی گزری نہ تھی جو آپؐ پر
بد دعا تو دور تھی امت پہ احساں رہ گیا

دین پھیلایا عمرؓ نے ہر طرف انصاف سے
دورِ فاروقی کہاں اب دورِ عصیاں رہ گیا

چار دن کی زندگی ہے موت کو سر پہ لئے
چل دیا ہے کارواں اک میں ہی ناداں رہ گیا

ہوش میں آجا مسافر صبح اب ہونے کو ہے
جانبِ منزل نظر کر لے جو ساماں رہ گیا

پروردگار !
نہیں احساں رہ گیا

الٹی تدبیر تو ہر گام پہ رونا آیا
آج غربت کو مری شام پہ رونا آیا

اوڑھنا اور بچھونا ہے مرا غم کیا ہے
میری قسمت ترے انعام پہ رونا آیا

اپنی آنکھوں کو میں رونے سے نہیں روک سکا
کیسی مشکل ہے کہ ہر گام پہ رونا آیا

میں نے سمجھا تھا کہ مل جائے گا ثمرہ کوئی
ڈھل گیا وقت تو انجام پہ رونا آیا

کیا ملا عاشق صادق کو جہاں میں آخر
حسن کو عشق کے انجام پہ رونا آیا

جب جنازے کو اٹھانے لگے میرے احباب
ان کو بھی میرے اس انجام پہ رونا آیا

کل تھا احساس مگر آج نہیں ہے ہم میں
سب کو اس گردشِ ایام پہ رونا آیا

کچھ بھروسہ نہیں زندگی کا
اعتبار آئے کیا آدمی کا

جب سے دیکھا انہیں مسکراتے
مسکرانا نہ دیکھا کلی کا

لیئے ہیں
ہنسی کا

رہی ہیں
زندگی کا

سارا
دمی کا

بہاں ہیں
ی کا

رائے خلافت
آدمی کا

○

خدا کے بعد ہونٹوں پر نبیؐ کا نام آیا تھا
یہی اک نام آدمؑ کے بہت ہی کام آیا تھا

حقیقت فاش کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا
اتر آیا زمیں پر مجھ پہ جب الزام آیا تھا

خلیفہ بن کے آیا ہے خودی کو کر بلند اپنی
جو مجھ سے پہلے آئے سب کو یہ پیغام آیا تھا

فلاحِ دین و دنیا کی کسوٹی تھی زباں جس کی
رسالت کا اسی کو عرش سے پیغام آیا تھا

اصول اپنے بھلا کر کھو گیا انسان ظلمت میں
یہی ظلمت مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا

تجلّی نور کی آمد کی ہوئی رہتی ہے روضے پر
زہے قسمت تجلی کا نظارا عام آیا تھا

چلے ہیں کربلا میں خواب کی تعبیر کو لے کر
شہیدوں میں حسینؑ ابنِ علی کا نام آیا تھا

تصوّر میں دکھائی تھی جزا اعمال کی تجھ کو
نظر کے سامنے کھل کر بہت انجام آیا تھا

نہ آیا راس انساں کو زمانہ، تھی یہ مجبوری
زمانے سے چلا ہے موت کا اک جام آیا تھا

بھلا بیٹھا ہے کیوں احسان اپنی موت کو آخر
نہ ہو احکام سے غافل یہی پیغام آیا تھا

اک بے وفا سے پیار کیا ہم نے کیا کیا
دل کو بھی بے قرار کیا ہم نے کیا کیا

وعدے پہ اعتبار کیا ہم نے کیا کیا
اک عمر انتظار کیا ہم نے کیا کیا

دل اپنا دے دیا اسے پہلی نگاہ میں
اُلفت کو آشکار کیا ہم نے کیا کیا

بے باکئ نظر نے کہیں کا نہیں رکھا
رخ پر نظر سے وار کیا ہم نے کیا کیا

سمجھا تھا جس کو دوست وہ نکلا مرا رقیب
شیطاں کو رازدار کیا ہم نے کیا کیا

اعمال نیک ہوں تو ملے نیک اجر بھی
کیوں ان پہ اعتبار کیا ہم نے کیا کیا

احساںؔ خبر نہ تھی کہ بدل دیں گے وہ زباں
صورت پہ اعتبار کیا ہم نے کیا کیا

محبت ہی نہ ہو دل میں تو ایماں ہو نہیں سکتا
نہ ہو توفیق جس کو وہ مسلماں ہو نہیں سکتا

وہ آئیں بھی مرے در پر تو مہماں ہو نہیں سکتا
میں دے دوں جان بھی اپنی تو ساماں ہو نہیں سکتا

نہیں ثانی کوئی اُن کا نہیں سایہ کہیں ان کا
دو عالم میں بھی ان کے جیسا انساں ہو نہیں سکتا

مرا دل ہے خدا کا گھر اسی میں ہے قیام اس کا
حقیقت ہے خدا کے گھر میں شیطاں ہو نہیں سکتا

یہ فرمانِ نبیؐ ہے اور ایماں کی نشانی بھی
ہو جھوٹا اگر مسلماں تو مسلماں ہو نہیں سکتا

مصیبت پر مصیبت دینے والے یاد رکھ اتنا
یہ دل تو ہے ہمارا دل پریشاں ہو نہیں سکتا

محبت اور ریاضت ہے بڑی شے اصل میں احساں
جو کام آئے نہ غیروں کے وہ انساں ہو نہیں سکتا

○

بہت خوش ہوں جوانی میں ریاضت کا مقام آیا
بزرگوں کے توسط سے مجھے حق کا پیام آیا

بہا کر خون اپنا ہر قدم پر ان کے کام آیا
مگر اس کا صلہ یہ ہے کہ خط دشمن کے نام آیا

خطا آدم کی تو نے بخش دی یہ ہے کرم تیرا
ہدایت کے لئے دنیا میں پھر تیرا کلام آیا

بجز رنج و الم کے اور کیا ہے تیری دنیا میں
کہیں غربت کہیں افلاس کا طوفاں مدام آیا

خدا کی راہ میں جس نے دیا گر ایک حبہ بھی
خدا کے نیک بندوں میں سرِ فہرست نام آیا

○

وہی اوّل وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن
وہ ختم المرسلین یعنی کہ اماموں کا امام آیا

کمالِ بندگی لے کر درِ جنت پہ جب پہنچا
خوشی سے چیخ اٹھا رضواں محمدؐ کا غلام آیا

کرے گا فکر جو اپنی تو اصلاح اسکی ممکن ہے
وہی انسان کامل ہے جو غیروں کے بھی کام آیا

جگا کر قوم کو جو مردِ مومن ہو گیا احساں
اسے مشرق تو کیا مشرق ہے مغرب سے سلام آیا

○

زہد سے منہ موڑنا اچھا نہیں
نیکیوں کا رہ چھوڑنا اچھا نہیں
وہ کھلا دشمن ہے جو شیطان ہے
اس سے رشتہ جوڑنا اچھا نہیں

○

خالق نے خاک سے ہمیں انساں بنا دیا
عرفانِ مصطفیٰ نے مسلماں بنا دیا

یہ بھی کرم ہے جتنے مہاجر بھی آئے تھے
طیبہ میں ان کو مہرِ درخشاں بنا دیا

دنیا کو ہر طرح سے خدا نے سنوار کر
انساں کی بود و باش کا ساماں بنا دیا

دنیا ہے جس کا نام وہ پہلے تھا اک کھنڈر
آدم نے آ کے اس کو گلستاں بنا دیا

روزِ ازل میں شک نہیں قالو بلیٰ کہا
فضل و کرم سے دیکھیے احساں بنا دیا

○

بندوں کو اپنے قابلِ اکرام کر دیا
یعنی ہر اک پہ اپنا کرم عام کر دیا

انساں بنا کے مجھ کو بڑا نام کر دیا
قدرت خدا کی دیکھیے کیا کام کر دیا

سر سبز ہو گئی
ا ابرِ کرم عام کر دیا

تجھے مقصدِ حیات
لو ناکام کر دیا

پرستش کے واسطے
کو بدنام کر دیا

عجیب دی گئی سزا
شِ ایام کر دیا

بھی دنیا میں کم نہیں
اسے بدنام کر دیا

○

ترا مسکن ہے میرا دل یہاں شیطاں نہیں ہوتا
کہ بھولے سے بھی اس میں غیر کا ارماں نہیں ہوتا

خدا چاہے تو بن جاتی ہیں تدبیریں بھی تقدیریں
اُلٹ جاتی ہیں تدبیریں جسے ایماں نہیں ہوتا

کلام اللہ کی خوبی نہیں شاعر کے دیواں میں
کلامِ میر و مرزا صورتِ قرآں نہیں ہوتا

بڑھو آگے تو مشکل کام بھی آساں ہوتا ہے
فقط آساں سمجھ لینے سے وہ آساں نہیں ہوتا

یہ سچ ہے زندگی زندہ دلی کا نام ہے احساںؔ
نہ ہوتا درد تو انسان بھی انساں نہیں ہوتا

○

ہم نے احسان کر کے کیا پایا
اس کی چاہت میں مر کے کیا پایا

متقی جو خدا سے ڈرتے ہیں
ان سے پوچھو کہ ڈر کے کیا پایا

تھا یہ بہتر کہ خود سنبھل جاتا
تہمتِ الزام دھر کے کیا پایا

لے کے ڈوبی ہے سب ریاکاری
کام نیکی کا کر کے کیا پایا

دار پر دے دیا ہے سر اس نے
اس پہ بہتان دھر کے کیا پایا

ہو گیا اور بھی کوئی بدظن
تم نے احسان کر کے کیا پایا

○

عزیزو بتاؤ کبھی نام اپنا اپنا
کہ دفتر میں لکھا ہے کام اپنا اپنا

کہے جاؤ جو کچھ بھی ہے اپنی حالت
سحر تک ہو قصّہ تمام اپنا اپنا

سنو کچھ ہماری کہو کچھ تم اپنی !!
کہ ہو جائے کچھ انتظام اپنا اپنا

رہیں لوگ جب تا قیامت لحد میں
نظر آئے گا خود مقام اپنا اپنا

کرو عزّت افزائی تم داد دے کر
سنائیں گے شاعر کلام اپنا اپنا

کیا کرتا ہے کام خود اپنا احساں
کرو دوستو تم بھلا کام اپنا اپنا

○

سے جاتا رہے گا
ں آتا رہے گا

ے رہے گا نظر میں
دلاتا رہے گا

ب تو فلک تک
اسناتا رہے گا

ی جب حقیقت
لاتا رہے گا

ہم جانتے ہیں
پیاتا رہے گا
(

○

اپنے دل کے داغ ہم دکھلائیں کیا
خود سمجھتے ہیں انہیں سمجھائیں کیا

عیش و عشرت میں ملی لذّت اسے
نفسِ امّارہ کو ہم بہلائیں کیا

دل میں احساسِ گنہ ہوتا نہیں
وقتِ آخر ہے تو پھر پچھتائیں کیا

موت آئے گی یقیناً ایک دن
یہ حقیقت ہے اسے جھٹلائیں کیا

زندگی گزری ہماری درد میں
زندگی کے گیت پھر ہم گائیں کیا

فضل ہے تیرا خدا احسان پر
اس کے آگے اس کو ہم سمجھائیں کیا

○

○

اس نے کہا تو کون ہے میں نے کہا شیدا ترا
اس نے کہا کیا بات ہے میں نے کہا منشا ترا

اس نے کہا کیا حال ہے میں نے کہا ہاں خیریت
اس نے کہا کیا کام ہے میں نے کہا صدقہ ترا

اس نے کہا کیا خط لکھا میں نے کہا کل لکھ دیا
اس نے کہا مضمون کیا میں نے کہا جینا ترا

اس نے کہا میں نے سنا میں نے کہا افواہ تھی
اس نے کہا وہ کون تھا میں نے کہا نقشہ ترا

اس نے کہا کیا لائے ہو میں نے کہا حاضر ہے جاں
اس نے کہا کیا خوب ہے میں نے کہا سودا ترا

○

اس نے کہا ٹھہرو ادھر میں نے کہا مرضی تری
اس نے کہا آؤ ادھر میں نے کہا پر داترا

اس نے کہا سر کی قسم میں نے کہا قسمت کی بات
اس نے کہا اے جانِ من میں نے کہا بندہ ترا

اس نے کہا فانی جہاں میں نے کہا باقی ہے کون
اس نے کہا پھر بندگی میں نے کہا کلمہ ترا

اس نے کہا احسان ہے میں نے کہا اللہ کا
اس نے کہا کیا چاہیے میں نے کہا سوداترا

○

قطعہ

نور ہے جس کا نام ہے قرآن
کفر کی تیرگی مٹاتا ہے
اور پھر زندگی کی راہوں پر
راہ سیدھی ہمیں دکھاتا ہے

○

○

سرکار ہیں ہمارے اور ہے خدا ہمارا
ے سب کچھ ہوا ہمارا

کام کر کے جائیں
ر جا بجا ہمارا

ے پھریں فضائیں
ہو سلسلہ ہمارا

یا نہ راس آئی
یرا جسما ہمارا

گے ہم خدا کو
ب سامنا ہمارا

عاصی ہوئے تو کیا ہے بندے تو ہیں خدا کے
محشر میں بخش دے گا ہم کو خدا ہمارا

محبوبِ کبریا کی اُمّت میں ہم ہیں شامل
ملتا ہے ان سے جا کر یوں سلسلہ ہمارا

اللہ کا فضل ہو تو کچھ غم نہیں ہے ورنہ
منزل سے دور بے حد ہے راستہ ہمارا

احساںؔ خدا سے مانگیں جو مانگنا ہے ہم کو
ہے بس وہ دینے والا جو ہے خدا ہمارا

○

قطعہ

غم کی بدلی جب بھی چھائی
ہم سمجھے بس موت ہی آئی
آنکھ ہمیشہ نم رہتی ہے
ہم نے قسمت خوب ہی پائی

○

ہر طرف اک کرب سا ہے ہر طرف اک اضطراب
کون جانے اس صدی کا ہے یہ کیسا انقلاب

بے قراری بڑھ رہی ہے بھوک کی شدت سے آج
شامتِ اعمال سے ہم پر مسلط ہے عذاب

ان کے واسطے
تا حساب

وہ ناپائیدار
ہے مثلِ حباب

ے میرے گناہ
زِ حساب

ان کو دیکھ کر
ہے اک سراب

ادِ راہ رکھ
ے و رباب

ٹوک کر ہر بات پر دینا برابر کا جواب
کیا یہی اے دوست ہے میرے مقدر کا جواب

اس جہاں سے ایک دن سب کو گزرنا ہے ضرور
کچھ یہیں سے یاد کر لو روزِ محشر کا جواب

عام ہے رحمت خدا کی روک اے واعظ زباں
تو کہے گا مجھ سے کیا میرے مقدر کا جواب

قدرتی ہے علم ہر انسان کو ہر کام کا
تیر سے ہے تیر کا خنجر سے خنجر کا جواب

دشمنوں سے بھی کرو احسان تم اچھا سلوک
گو مثل مشہور ہے پتھر سے پتھر کا جواب

○

یا مطلب
ا مطلب

ا مطلب
مطلب

پنا
مطلب

اپنا
مطلب

سال
پھر سبھی رہنما سے لیا مطلب

○

کیا کبھی کچھ غور فرماتے ہیں آپ
کیا سبب ہے ہم سے شرماتے ہیں آپ

شیخ صاحب مے مبارک خلد میں
ہاں مگر کیسا مزا پاتے ہیں آپ

کرتے ہیں میری شکایت غیر سے
کس قدر تکلیف فرماتے ہیں آپ

ماجرا کیا ہے ذرا فرمائیے
آج کیوں یہ اشک برساتے ہیں آپ

دشت میں ہے کون احساںؔ منتظر
اپنے گھر سے کیوں نکل جاتے ہیں آپ

آ گئے ہنستے ہوئے وہ گلِ تر کی صورت
شب گزر جائے گی اب میری سحر کی صورت

جو اٹھاتا ہے قدم قوم کی خدمت کیلئے
دونوں عالم میں چمکتا ہے قمر کی صورت

جب سے میں ان کے تصور میں رہا کرتا ہوں
مجھکو ویرانہ نظر آتا ہے گھر کی صورت

شانِ تخلیق نظر آئی نہ اب تک ایسی
ہر بشر سے ہے الگ مثلِ بشر کی صورت

اپنی ہستی کو مٹایا ہے صدف نے اے دل
تب کہیں ہم کو نظر آئی گہر کی صورت

○

گو جوانی میں تھی رسوائی بہت
مرتے دم تک پھر بھی یاد آئی بہت

عشق میں ہوتی ہے رسوائی بہت
عشق میں ہوتے ہیں سودائی بہت

شکر ہے گزری شبِ غم خیر سے
برق کوندی اور گھٹا چھائی بہت

قصۂ یوسفؑ سے یہ ثابت ہوا
دوست ہو تو ایک ہے بھائی بہت

جان دیکر حرؔ نے یہ ثابت کیا
زندگانی اس کی کام آئی بہت

جب پڑی ہے اپنے عیبوں پر نظر
ہوگئی کم ہم میں گویائی بہت

ڈر رہا تھا میں تو اے احسان مگر
راس آئی مجھکو تنہائی بہت

○

ہو نہ دل سے تو کیا ہے لب کی بات
پڑھو قرآں کہ یہ ہے رب کی بات

مول کیا پوچھتے ہو تم ہم سے
جیب میں زر ہو تو ہے جیب کی بات

وصل ایسا تھا یاد کچھ بھی نہیں
کیا کہوں میں کسی سے شب کی بات

سنتے ہیں صور پھونکا جائے گا
نہیں معلوم ہے یہ کب کی بات

نظر آئے ہر آنکھ میں آنسو
یہ نہیں کل کی ہے یہ اب کی بات

اک دن احساں ضرور مرنا ہے
نام رہ جائے تیرا تب کی بات

○

سنتا ہے زمانہ کہیں انساں کی شکایت
جیسے لبِ بلبل پہ ہو زنداں کی شکایت

جب ٹھیک نہیں ہے غمِ دوراں کی شکایت
پھر اس پہ ہے طرفہ غمِ جاناں کی شکایت

وہ دن گئے کرتے تھے جب اغیار کا شکوہ
اب تو ہے مسلماں کو مسلماں کی شکایت

جو غم ہے نہاں دل میں بیاں ہو نہیں سکتا
کچھ شیخ سے شکوہ ہے نہ شیطاں کی شکایت

کیا شکوہ ہے انسان سے احساں کو جہاں میں
سننی ہی پڑے گی کبھی احساں کی شکایت

○

سر کو ظالم کے اس طرح سے کاٹ
تاکہ باقی رہے نہ اس کا پاٹ

نہ ملاؤ نظر حسینوں سے
ورنہ اترو گے مفت موت کے گھاٹ

ہو کے مجبور چل بسے مغرور
رہا فرعون اور نہ اس کا پاٹ

دردِ دل اپنا میں کہوں کس سے
دل ہے میرا ترے بغیر اچاٹ

کیوں کسی کو بھی موت چھوڑے گی
لگ گئی اس کے منہ کو خون کی چاٹ

حالِ دنیا کو دیکھ کر احساںؔ
دل مرا ہو گیا اچاٹ اچاٹ

○

○

سلطنت کے زوال پر وارث
آئے کتنے ہی دوڑ کر وارث

سیم و زر کچھ نہیں تھا ان کے پاس
گئے میّت کو چھوڑ کر وارث

جانے والے نے کچھ نہیں کھایا!
لے گئے ساتھ سیم و زر وارث

زندگی میں کبھی نہ نام لیا
روتے آئے ہیں لاش پر وارث

ہو نہ علم و ہنر پسر میں اگر
نہیں والد کا وہ پسر وارث

راست گوئی ہے ایک کہاں احساں
ہو گئے اس کے دربدر وارث

○

○

اپنی مرضی سے محبت میں ہیں برباد عبث
پھر ہے شکوہ بھی عبث اس کا ہے فریاد عبث

ہے اسے مرنا ہے ضرور
تی ہے فریاد عبث

ڑ تھے نہیں اب کوئی
ا ہوا صیاد عبث

ہ اسے کر دے پورا
ئی بات بھی جلاّد عبث

یز کی بیوی کا شیریں
ہ فرہاد عبث

بندوں کو اپنے احسان
شکوہ و فریاد عبث

○

روزِ ازل سے ہے جو ہے حکم خدا سے آج
دنیا میں ہم بھی زندہ ہیں اس کی رضا سے آج

مٹتا نہیں نصیب میں جو لکھ دیا گیا
بدلے گا کیوں نصیب وہ تیری دعا سے آج

قائل نہیں وفا کا کسی بھی دلیل سے
کرنا پڑا ہے سامنا کس بے وفا سے آج

دل ہی تو ہے سہے گا کہاں تک کسی کے غم
مایوس ہو گیا ہوں میں اس کی ادا سے آج

ظلمت مٹانے آئے تھے وہ اپنے نور سے
ظلمت ہوئی ہے دور رسولِ خدا سے آج

اس نے دیا تھا دل مجھے زیدی ہے میں نے جاں
قصہ تمام ہو گیا بس اک ادا سے آج

حق گوئی سنتے ہیں کہ ہے مردِ خدا کی شان
احساں میں بھی یہ بات ہے فضلِ خدا سے آج

○

ِوردگار آج
ئے قرار آج

د یار آج
ہے انتظار آج

لی نگاہ میں
میدوار آج

ے آج آ گئے
اغیار آج

اثیر ہے بہت
اسا قرار آج

غالب آئی تیری خدائی آج
نفسِ سرکش نے منہ کی کھائی آج

کیسی غفلت یہ مجھ پہ چھائی آج
یعنی بے وقت نیند آئی آج

چار دن کی یہ زندگانی ہے
زندگی میں کرو کمائی آج

کوئی واقف نہیں حقیقت سے
رند و زاہد میں ہے لڑائی آج

بات کچھ بن گئی تھی اے احساںؔ
ٹل گئی تھی بلا پھر آئی آج

○

بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ آپس میں جو تھے یاروں کی طرح
سیرت کا نمونہ تھے چاروں اب کوئی نہیں چاروں کی طرح

انسان سبھی آدم سے بنے آدم کو بنایا خالق نے
انساں پہ ستم کیوں کرتے ہو تم آج ستمگاروں کی طرح

گمراہ جو فطرت رکھتے ہیں احکام سے بھاگے پھرتے ہیں
ٹھوکر جو لگے گی ایسوں کو گر جائیں گے دیواروں کی طرح

کیوں شرم و حیا کی بات نہیں کیوں صدق و صفا کی بات نہیں
رونق ہی نہیں کچھ چہروں پر چلتے ہیں وہ بیماروں کی طرح

یہ درد ہے کیسا دل میں مرے کس کو میں دکھاؤں کس سے کہوں
کیوں جان و جگر جل جاتے ہیں رہ رہ کے یہ انگاروں کی طرح

پلکوں پہ لئے آنسو کوئی آتا ہے ادھر کوچے میں ترے
چل آج لگا لے اس کو گلے روتا ہے وہ بے یاروں کی طرح

روٹی کو ترستا ہے عالم بے درد زمانہ کیا جانے
گر کچھ لوگ ہیں زرداروں کی طرح

لا ہوں منزل کی طرف
نا ہیں مددگاروں کی طرح

ن تجھے بخشے گا خدا
بہ گنہگاروں کی طرح

. ہو گئے
ہور ہو گئے
ا خبر تہ نہیں
ہو رہو گئے

گھر جلانا ہے جلا دے آشیانے کی طرح
لوگ سن لیں گے اسے بھی اک فسانے کی طرح

دردِ دل کا بڑھ گیا ہے اک نگاہ ناز سے
تیر مارا ہے کسی نے اک نشانے کی طرح

قوم کی بگڑی ہے حالت کوئی سنتا ہی نہیں
ضرب کاری تم لگاؤ تازیانے کی طرح

خوف تھا تیرے غضب کا ابرِ رحمت چھا گیا
اور وہ بھی چھا گیا ہے شامیانے کی طرح

کھیل ہے شطرنج کا حکمت سے کھیلو دوستو
کھیل کر پھر اپنے گھر میں آؤ آنے کی طرح

درد اپنا تو سناتا ہے کسے احساں یہاں
لوگ یہ روداد سنتے ہیں فسانے کی طرح

پنہاں ہے جب اشعار میں تحریر کی تاریخ
کیوں کتبۂ مرقد میں ہے تعمیر کی تاریخ

کب لکھی گئی ہے یہ پتہ کیسے چلے گا
تقدیر ہی میں جب نہیں تقدیر کی تاریخ

ہر کام سے پہلے کوئی نقشہ تو بناؤ
رہ جائے گی دنیا میں تدابیر کی تاریخ

ہر ماہ میں پوشیدہ ہے اک نور کا دن بھی
تاریخ میں تاریخ تو ہے پیر کی تاریخ

لکھنو میں تھے کب اور تھے دلی میں کب احساں
تاریخ میں ملتی ہی نہیں میر کی تاریخ

خوشنودیٔ خدا بھی ہے آہ و بکا کے بعد
ہم پر کھلا یہ حادثۂ کربلا کے بعد

کربل میں کیسا ظلم ہوا یہ حسینؑ پر
شرمندہ خود جفا ہوئی ان پر جفا کے بعد

میدان میں تھے عونؓ و محمدؓ ڈٹے ہوئے
چہرے وفا کے رہ گئے قتلِ وفا کے بعد

ہو کر شہید زندۂ جاوید ہیں حسینؑ
ثابت ہوا یہ حادثۂ کربلا کے بعد

ابن علیؓ نے پائی حیاتِ دوام آج
احسانؔ شہید ہوتے ہیں زندہ فنا کے بعد

○

پوچھتے کیوں ہیں وہ روداد چمن میرے بعد
درد ہی درد ہے بلبل کا سخن میرے بعد

میں نے فردوس کی مانند سنوارا تھا چمن
ایک ویرانہ ہوا ہے وہ چمن میرے بعد

اب نہ کلیوں کا تبسم نہ پھولوں کی ہنسی
ایسا برباد ہوا ہے یہ چمن میرے بعد

چاہیئے تھا کہ چھپا لیتے مجھے آنچل میں
ساتھ لے آئے ہیں دو گز کا کفن میرے بعد

دل کی دھڑکن سے نکلتی ہے مسلسل یہ صدا
یاد کر کے مجھے روئے گا یہ فن میرے بعد

مقصد بزم ہے اردو کی اشاعت یارو
یوں ہی سرسبز رہے بزم سخن میرے بعد

سخن و شعر کو چمکایا ہے سورج کی طرح
ماند پڑ جائے نہ سورج کی کرن میرے بعد

○

رات کا جاگا ہوا ہوں صبح آجاتی ہے نیند
جاگتے ہیں کس طرح عابد یہ سکھلاتی ہے نیند

اونگھنے لگتا ہوں اکثر بیٹھے بیٹھے فکر میں
اور اسی عالم میں پھر اک دم سلا جاتی ہے نیند

سونے کی کرتا ہوں کوشش مشکلوں کو بھول کر
مشکلیں یاد آتی ہیں تو صاف اُڑ جاتی ہے نیند

موت ہے اک دن اٹل اور نیند ہے اس کی بہن
کچھ حقیقت موت کی انساں کو سمجھاتی ہے نیند

عمر ساری کٹ گئی میں نے کیا کچھ بھی نہیں
وقتِ رحلت آگیا ہے پاؤں پھیلاتی ہے نیند

نیند اے احسان ہے مجھ کو عزیز اس واسطے
کم سے کم خوابوں میں روئے یار دکھلاتی ہے نیند

لے چل مری فریاد کو درگاہ میں قاصد
کیا جانے اثر کیا ہے مری آہ میں قاصد

نازل ہوا قرآن بھی ماہِ رمضاں میں
آئی ہے شبِ قدر بھی اس ماہ میں قاصد

ل میں رسائی
بھیجے اس راہ میں قاصد

مرزا کی غزل ہو
تو اک واہ میں قاصد

سکے یہ کیسے مسافر
ہیں اس راہ میں قاصد

دنیا میں کسی سے
چاہ میں قاصد

سے بہت دور ہی احساں
ر اک راہ میں قاصد

(

آدمی کو ہو نہ اپنی خوش بیانی پر گھمنڈ
ترجماں ہے وہ تو پھر کیا ترجمانی پر گھمنڈ

تو بڑا رحمان ہے سب سے بڑا تو ہے رحیم
کیوں نہ ہو بندوں کو تیری مہربانی پر گھمنڈ

کب رہے ہیں نامور دارا، سکندر بھی یہاں
کیوں تھا ان کو آخر اپنی زندگانی پر گھمنڈ

وہ مرے عشق و وفا کو لائے گا خاطر میں کیا
حسن پر ہو ناز جس کو اور جوانی پر گھمنڈ

لے سبق احساں قناعت کا جنابِ خضر سے
وہ نہیں کرتے ہیں عمرِ جاودانی پر گھمنڈ

یوں مسافر خوش ہوئے اپنے مکاں کو دیکھکر
جیسے طائر چہچہائیں آشیاں کو دیکھکر

برق چمکی اور جلا ڈالی ہے اس کا آشیاں
کیوں نہ بلبل روئے گا پھر آشیاں کو دیکھکر

انقلاب آیا جہاں میں بادشاہی مٹ گئی
لوگ کیوں روتے ہیں اب اس کے نشاں کو دیکھکر

ظلم ڈھائے اس نے ایسے بیکسوں پر رات دن
رحم کچھ آیا نہ ان کی خستہ جاں کو دیکھکر

ہم نے سمجھا تھا وہاں ہوگا ہمارا گھر مگر
مٹ گئی ہیں حسرتیں سب لا مکاں کو دیکھکر

صدائے جرس

کچھ بھروسہ ہی کسی کی زندگانی کا نہیں
لے سبق انساں گزرتے کارواں کو دیکھکر

آرزو حسرت تمنا بس یہی اب دل میں ہے
لوں عدم کی راہ ان کے آستاں کو دیکھکر

ت ہیں الٹی ہوگئی
ا آسماں کو دیکھکر

رنہ اے احساں کچھ
مسیحاں کو دیکھکر

مل گئی جوانی
ن کی زندگانی
ا بس ہماری
ائے گی کہانی

چلو آج دنیا میں بے حد سنبھل کر
ملے گی نہ منزل غلط چال چل کر

نہیں دی خدا نے عبث زندگانی
ہر اک سانس کہتی ہے تجھ سے عمل کر

یہاں آج شب کو ہے اک بزم عرفاں
چلے آؤ پوشاک میں عطر مل کر

پیو جا بجو آبِ زم زم ادب سے
یہ ہے خاص چشمہ زمیں سے ابل کر

ذرا آسماں پر ستاروں کو دیکھو
چمکتے ہیں بطنِ فلک سے نکل کر

ابھرتے ہیں مضموں نئے اس میں احساںؔ
غزل پر توجہ دے قدرِ غزل کر

دلوں میں پیار سے اُلفت سے اطمینان پیدا کر
خدا کے بندوں کی خدمت کا کچھ ارمان پیدا کر

خلیفہ ہے خدا کا تو، تو ویسی شان پیدا کر
الجھ کر سینۂ امواج سے طوفان پیدا کر

خیال آئے تجھے ہر وقت توحید و رسالت کا
قوی سے بھی قوی ہو دل میں وہ ایمان پیدا کر

زمانے میں جہالت کا ابھی تک بول بالا ہے
مٹا دے ساری ظلمت کو کوئی انسان پیدا کر

جمال و حسن ظاہر پر ہیں شیدا سب تماشائی
حیا و شرم کی پہلے جو تھی وہ شان پیدا کر

یہ دنیا بھول جائے گی تری باتوں کو اے اسمٰعیل
قلم باقی رہے اپنا تو اک دیوان پیدا کر

عزّت ملی اسے جو گیا ہے وطن کو چھوڑ
سر پر کھلا گلاب ہے اپنے چمن کو چھوڑ

اے دل خدا کی تجھ پہ نظر صبح و شام ہے
دل پر نگاہ رکھ تو اپنے بدن کو چھوڑ

فرمان تھا حضورؐ کا یہ عائشہؓ کو خاص
پیوند کے بغیر نہ لوں پیرہن کو چھوڑ

خونِ جگر سے سینچے کہاں تک اسے کوئی
اک دردِ سر ہے شاعری مشقِ سخن کو چھوڑ

جب سے شعور آیا ہے مغموم ہوں بہت
احساس گزر گیا ہے زمانہ وطن کو چھوڑ

ہیں شرع و شریعت میں نہاں پیار کے انداز
ایماں کی حرارت میں ہیں اقرار کے انداز

ت تک نہ ہوئی حق کے لئے سر کی شہادت
ر کے تلوار کے انداز

شر مرے آگے
یدار کے انداز

جدائی میں کسی کی
بیمار کے انداز

نیدہ ہو تو کیسے
رفتار کے انداز

ساتھ دے گا نہ کسی کا یہ زمانہ ہرگز
بھول کر بھی تم اسے منہ نہ لگانا ہرگز

مست نظروں سے ہمیں مے نہ پلانا ہرگز
کر کے بے ہوش تماشہ نہ بنانا ہرگز

ہاتھ خالی تھے سکندر کے کفن سے باہر
تم بھی دنیا سے کبھی دل نہ لگانا ہرگز

وہ ابوجہل ہو، نمرود ہو، یا ہو فرعون
مٹ گئے، ان کو نہ روئے گا زمانہ ہرگز

حالیؔ و شبلیؔ و اقبالؔ نہیں ہیں ہم میں
محسنِ قوم تھے ان کو نہ بھلانا ہرگز

آخری دور میں دنیا سے اُٹھے گا ایماں
ابھی ایماں کی حرارت نہ گنوانا ہرگز

تیرنے لگتے ہیں آنکھوں میں ہمارے آنسو
ہم کو احساں نہ سنانا غم کا ترانہ ہرگز

ا ہما و شما کے پاس
ہے میرے خدا کے پاس

افلاس میں خدا
بھی اغنیا کے پاس

یا ہوا ہے جال
ام بلا کے پاس

سچا ہے واقعہ
ئے تھے خدا کے پاس

دا ہی بچائے گا
ب ناخدا کے پاس

سے بیان کر
ہے خدا کے پاس

ہے رات ہی میں آپ کو کس بات کی تلاش
کرتے ہیں آپ صبح سے کیوں رات کی تلاش

آنا تمہارا رات کو ہے مصلحت نہیں
کچھ تو بتاؤ ہے تمہیں کس بات کی تلاش

ماہِ صیام ہی میں شبِ قدر ہے نہاں
ہاں آخری دہے میں کر اس رات کی تلاش

ہوگا تو کچھ عمل ہی سے ہوگا تمہیں نصیب
بے فائدہ ہے آج کرامات کی تلاش

جو کام آج کا ہے اسے آج ہی کرو!
کرتے ہو آج کس لئے کل رات کی تلاش

میں ہوں نیا نیا سا خراباتِ دہر میں
مجھ کو ابھی ہے پیرِ خرابات کی تلاش

احساں وہ اپنے وقتِ مقرر پہ آئے گی
کرتی نہیں قضا کبھی اوقات کی تلاش

ہر گھڑی دل میں رہے کام کی حرص
نہ رہے تجھ کو کبھی نام کی حرص

کامیابی ترے چومے گی قدم
ہو نہ دل میں اگر انعام کی حرص

کر یہاں صرف عمل اے ناداں
رکھ نہ دل میں کبھی آرام کی حرص

کئی صدیوں سے ہے پیہم جاری
ہائے رے گردشِ ایّام کی حرص

دل میں ہے یادِ خدا اے احسانؔ
ہے مرے دل کو اسی کام کی حرص

نیک خو کو قتل و خوں سے کیا غرض
عجز کو امن و سکوں سے کیا غرض

میری حالت پر وہ ہنستے ہیں عبث
حسن والوں کو جنوں سے کیا غرض

جوگیوں کو کام ہے بس جوگ سے
ان کو دنیا اور دوں سے کیا غرض

ہر جگہ ہر شے میں رہتا ہے خدا
صحن و دیوار و ستوں سے کیا غرض

کام سے رہتا ہے کام احساںؔ کو
آپ کو اس کے جنوں سے کیا غرض

مدت کے بعد دیکھیے آیا کدھر سے خط
لکھا ہوا پھر اس پہ ہے خونِ جگر سے خط

رہ رہ کے یاد آتے ہیں میرے تمام لوگ
ہے انتظار مجھکو کہ آئے گا گھر سے خط

ساتھی نہیں ہے کوئی بھی میرا وطن میں آج
اب کیا لکھوں کسی کو مقامِ سفر سے خط

بے درد و بے وفا ہے وہ اب اس سے کیا گلہ
آیا نہ خود نہ آیا ہے اس کا ادھر سے خط

احسان چھپ سکے گا نہ اس سے تمہارا غم
لکھو گے تم اگر اسے خونِ جگر سے خط

مجھکو دنیا میں نہیں تیری ضرورت واعظ
سر پہ بندوں کے ہے اللہ کی رحمت واعظ

آئے گا کیسے اثر تیری زباں میں آخر
دل میں جب تک نہ ہو بندوں سے محبت واعظ

عیب اوروں کے نظر آتے ہیں تجھکو ہر دم
کب نظر آئے گی اپنی تجھے صورت واعظ

ہٹ کے اعمال سے کچھ ساتھ نہیں آئے گا
حشر ہی میں نظر آئے گی حقیقت واعظ

خود کو سمجھا نہیں پائے گا خدا کو کیسے
کیا کھلی ہے کبھی تجھ پر یہ حقیقت واعظ

بات ہے اہم سنا دیتا ہے تجھکو احساںؔ
کہ ہو صورت کے برابر تری سیرت واعظ

شان و شوکت کامرانی الوداع
ملک و دولت حکمرانی الوداع

ہنستے ہنستے آ گیا رونا مجھے
چار دن کی شادمانی الوداع

کیا ملا اس زندگانی سے ہمیں
درد غم کی ہے کہانی الوداع

آج اگرچہ سو برس پورے ہوئے
موت آئی ناگہانی الوداع

دور سے دیکھی ہے تم نے زندگی
ہم نے سن لی ہے کہانی الوداع

دے رہا ہے کیوں دعائیں میرا دل
ہے فقط اک خوش بیانی الوداع

موت کا افسوس لسے احساس نہیں
زندگی پائی تھی فانی الوداع

علم ہو جس میں وہ یوں سب کو دکھاتا ہے چراغ
خود کو جیسے روشنی دینے مٹاتا ہے چراغ

ماہرِ فن ہو کہ آذر ہو زمانے کا کوئی !
ہو بہ ہو سورج کے کیا کوئی بتاتا ہے چراغ

یک بہ یک ہی تیرگی میں ہونے لگتی ہے کمی
کون میری قبر پر آ کر جلاتا ہے چراغ

کچھ عجب تہوار دیوالی کا تہواروں میں ہے
گھر میں اک مفلس سے مفلس بھی جلاتا ہے چراغ

رنگِ محفل ہے یہ احساں کے چلے جانے کے بعد
آخرِ شب جیسے کوئی ٹمٹماتا ہے چراغ

اس نے ہم کو نہ کچھ بتایا صاف
اور نہ ہم نے بھی کچھ نہ پایا صاف

کیوں ادھر سے وہ روز تکتے ہیں
کیا انہیں کچھ نظر نہ آیا صاف

بس اشارے وہ کرتے رہتے ہیں
کبھی ہم کو نہیں بلایا صاف

اس نے کی جب بھی بات ہنسنے کی
ہنستے ہنستے ہمیں ہنسایا صاف

لکھنے والے نے لکھ دیا لیکن
مقصد اپنا نہیں بتایا صاف

کوہِ فاراں سے ندا دے کر
اس نے ہر اک کو جگایا صاف

درد انسان کو ہے اوروں کا !
روتے روتے ہمیں رلایا صاف

کہاں سے لاؤں میں نیکی شمار کے لائق
نہیں ہے کوئی بھی شے انحصار کے لائق

ملیں گے دوست ہزاروں ہی یوں تو دنیا میں
وہی ہے دوست جو ہو اعتبار کے لائق

غرور و کبر نے شیطان کو ڈبویا ہے
غرور و کبر نہیں افتخار کے لائق

ہو دل میں پیار تو دنیا رہے گی قدموں میں
تم اپنے دل کو بناؤ تو پیار کے لائق

وہاں میں جا کے کروں پیش نذر کیا احساں
نہیں ہے کچھ بھی میرے پاس یار کے لائق

۱

عروجِ آدمِ خاکی کہاں تک
مکاں سے لے کے ہے بس لامکاں تک

گئی میری نظر دیکھو کہاں تک
اُجالا چھا گیا ہے آسماں تک

کروں کس سے بیاں میں درد اپنا
صدا آئے بھی گر دل سے زباں تک

یہی اک آرزو ہے بندہ پرور
مجھے لے چلیئے اپنے آستاں تک

کبوتر باز کے گھیراؤ میں ہے
نہ پہنچے گا وہ اپنے آشیاں تک

تمنّا ہے یہی احساںؔ کی یارب
پہنچ جائے نبیؐ کے آستاں تک

○

لب پہ یہ حرفِ شکایت کب تک
آخری وقت ہے حاجت کب تک

موت کا ہم کو مزہ چکھنا ہے
زندگی کی ہے یہ نعمت کب تک

کب قیامت اُٹھے نہیں معلوم
دیکھیں ہم راہِ قیامت کب تک

دیر بس آپ کے آنے کی تھی!
ختم ہوتی نہ جہالت کب تک

دے کے اولاد بھی لے لیتا ہے
ساتھ اپنی ہے یہ دولت کب تک

رات احسان گزر جائے گی!
تم کروگے یہ ریاضت کب تک

○

○

تجھ کو ہر اک سے عداوت کب تک
سب کی ہر وقت شکایت کب تک

ان حسینوں سے محبت کب تک
چار دن کی ہے یہ لذّت کب تک

حشر دارا و سکندر دیکھا
رہی دونوں کی حکومت کب تک

ہو نہ اخلاص تو پھر کیا حاصل
بے دلی کی یہ ریاضت کب تک

کام لے علم و عمل سے اعمال
غافل انسان جہالت کب تک

○

○

وہ چھپا کر لائے ہیں ہاتھوں میں سنگ
جنگ کرنے آئے مجھ سے ہو کے تنگ

شاعری سے کچھ نہیں مجھ کو غرض
بھر رہا ہوں اپنا کچھ شعروں میں رنگ

گنگناتا ہوں میں استادوں کے شعر
شعر کہنے کا مجھے آیا ہے ڈھنگ

بغض و کینہ اپنی حد سے بڑھ گیا
دو دلوں میں اور کیوں ہو گی نہ جنگ

ماہران فن یہاں ہر فن کے ہیں
دیکھ کر بہتات ان کی میں ہوں دنگ

شعر میں احسانؔ تیرے جوش ہے
ہے الگ سب شاعروں میں تیرا رنگ

○

دو دلوں میں دشمنی ہے آج کل
اور حریفوں کو خوشی ہے آج کل

جسم و جاں میں بے کلی ہے آج کل
خامشی چھائی ہوئی ہے آج کل

ظلم ڈھاتے ہیں اماں کے نام سے
صاف گوئی میں کمی ہے آج کل

جوہر اخلاص سب جاتے رہے
جھوٹ کہنا دل لگی ہے آج کل

کیا خزاں آئی چمن میں تا کہساں
ہر کلی مرجھا گئی ہے آج کل

اوج پر پہنچا ہوا ہے ہر کمال
کیوں پریشاں آدمی ہے آج کل

بزم اے احساں تری روشن رہے
تیرے دم سے روشنی ہے آج کل

ہو سکے تو آج تو خود ہی بدل
کہتی ہے عبرت سنبھل اب بھی سنبھل

ایک دن آنا اجل کا ہے اٹل
ٹل نہیں سکتی ترے سر سے اجل

تم کرو ہر کام کو اخلاص سے
کام اچھا ہو تو مل جائے گا پھل

کام کیوں یہ آج بنتا ہی نہیں
وقت جانے کو ہے ہاتھوں سے نکل

ہے کہاوت یہ پرانی دوستو
جیسی نیت ہے تمہاری ویسا پھل

یاد کرتا ہوں خدا کو دل سے میں
اے مصیبت اب مرے سر سے نہ ٹل

وقت ہے جذبات کے اظہار کا
آج احساںؔ لکھ رہے ہیں یہ غزل

سوچ لو لفظ ثنا کے قابل
لے چلو نذر خدا کے قابل

حسن والے ہیں جفا کے قابل
ہم ہیں اخلاص و وفا کے قابل

جاوداں زیست فقط خضر کی ہے
ساری خلقت ہے قضا کے قابل

مرنے والے ہیں مزے میں مر کر
جینے والے ہیں بلا کے قابل

شکوۂ ناز و ادا کیا کیجے
آپ ہیں ناز و ادا کے قابل

وہ جواں ہو کے بہت شوخ ہوئے
ورنہ دن ہیں یہ حیا کے قابل

کام کچھ ایسے کرو اے احساں
جو کہ ہو جائیں جزا کے قابل

ہے کب سے آدمی محوِ سفر نہیں معلوم
ہے اس کی منزلِ آخر کدھر نہیں معلوم

وہ کون ہے جو ہے پیشِ نظر نہیں معلوم
نظر پلٹتی نہیں کیوں ادھر نہیں معلوم

بس ایک حال پہ اپنے گزرتے رہتے ہیں
کہاں رکیں گے یہ شام و سحر نہیں معلوم

ملا ہے جسم ہی میدان میں شہِ دیں کا
اٹھا کے لے گیا ہے کون سر نہیں معلوم

شبِ فراق تو بے حد طویل تھی احساں
شبِ وصال ہے کیوں مختصر نہیں معلوم

○

بھول کر بھی جو مسکراتے ہم
کیا ترے غم کو منہ دکھاتے ہم

اس جہاں میں اگر نہ آتے ہم
رنج و غم بھی نہیں اٹھاتے ہم

حشر میں حشر اور اک اٹھتا
نامِ قاتل جو لب پہ لاتے ہم

کوئی غمگیں اگر نظر آتا
اس کا غم اپنے دل میں پاتے ہم

ہوتے اس دور میں اگر احساںؔ
نقشِ پا آنکھوں سے لگاتے ہم

○

○

کیا کہیے ان سے طاقتِ گفتار بھی نہیں
سر پر ہے موت مہلتِ اظہار بھی نہیں

درپیش ہم کو عشق میں اک ایسی راہ ہے
جو دور سے بھی دور ہے ہموار بھی نہیں

کیا جانے کیسے لوگ ہیں عشاق آپ کے
دیوانے بھی نہیں ہیں تو ہشیار بھی نہیں

راضی ہوا وہ جلوہ دکھانے کو ایسے وقت
آنکھوں میں جبکہ طاقتِ دیدار بھی نہیں

اقرار کیا ضروری ہے اس کی زبان سے
احسان جس کو عشق سے انکار بھی نہیں

○

○

غم میں جو اس کا نام لیتے ہیں
ہوشیاری سے کام لیتے ہیں

ہو کے ہم بے مقام دنیا میں
آخرت میں مقام لیتے ہیں

کام کرتے ہیں لوگ مجبوراً
ورنہ باتوں سے کام لیتے ہیں

جب بھی ملتے ہیں وہ کہیں ہم سے
مسکرا کر سلام لیتے ہیں

یہ مرے ہاتھ کام کے ہیں بہت
ان کے دامن کو تھام لیتے ہیں

غصّہ پینے کی جن کو عادت ہے
حسن و خوبی سے کام لیتے ہیں

غصّہ آیا تھا ان کو غیروں پر
مجھ سے کیوں انتقام لیتے ہیں

دل ہے درکار حسن والوں کو
مال سے بڑھ کے دام لیتے ہیں

کھل کے ہم ان سے کیا کہیں احساںؔ
استعاروں سے کام لیتے ہیں

قطعہ

ہوں وہ صوم و صلوٰۃ یا حج ہوں
ان کا حاصل جو ہے وہ تقویٰ ہے
جن کو حاصل ہو دولت تقویٰ
آدمی وہ بزرگ و اعلیٰ ہے

مرنا تو یقینی ہے لیکن مرنے کا زباں پر نام نہیں
انجام سے واقف ہو کر بھی کچھ ہم کو غمِ انجام نہیں

آغاز ہوا ہے کب دنیا کا اور رہے گی یہ کب تک
ہیں خاص یہ دونوں تاریخیں اللہ کو خبر ہے عام نہیں

مل جائے گی عزت محنت سے محنت کا ثمر میٹھا ہے مگر
قسمت کا لکھا ہی ملتا ہے مل جائے تو کچھ انعام نہیں

جو بات نکلتی ہے دل سے وہ دل پہ اثر بھی کرتی ہے
کچھ سوچ سمجھ کر بات کرو حق بات کبھی ناکام نہیں

اوروں کو نصیحت کرتے ہو اور خود ہو عمل سے بیگانہ
احسان کرو تم آج عمل اوروں سے تمہیں کچھ کام نہیں

میں دنیا میں اک جزوِ گلستاں ہوں
اگر گل نہیں ہوں تو کیا خار ہوں

بنایا ہے تو نے جسے پیار سے
ترے اس جہاں کا میں شہکار ہوں

بہار آئے تو کیا ہو مجھ کو خوشی
بہت دن سے محرومِ گلزار ہوں

بہت ہی حسیں ہے تری کائنات
میں سب کی طرح اک طلبگار ہوں

تو اوروں کا مجھ سے سدا کام لے
ترے فضل سے میں رضاکار ہوں

اگر تو غنی ہے تو میں ہوں فقیر
فقیری میں اپنا میں مختار ہوں

جہاں میں مرا کام احساں ہے
بہ وقتِ ضرورت میں انصار ہوں

○

اس زندگی کا نام کیئے جا رہا ہوں میں
شمس و قمر کا کام کیئے جا رہا ہوں میں

آنکھوں میں ہے تصورِ حسن و جمال یار
محفل کا اہتمام کیئے جا رہا ہوں میں

آیا ہوں امتحاں کے لیئے اس جہان میں
کرتا ہے مجھکو کام کیئے جا رہا ہوں میں

ورثے میں یہ لگاؤ ادب کا ملا مجھے
شعر و ادب کو عام کیئے جا رہا ہوں میں

احسان میرے غم کی کسی کو خبر نہیں
رونے میں صبح و شام کیئے جا رہا ہوں میں

○

ہوتا ہے کیا جہاں میں مجھے کچھ خبر نہیں
کیوں فکر ہو جہاں کی جہاں میرا گھر نہیں

آئینہ کیا بتائے کسی کور بیں کا حال
آئینہ دیکھتا ہے وہ کیوں جب نظر نہیں

روتا ہوں بے کسی پہ نہ جانے میں کس لئے
رونے کا جب کسی پہ ذرا بھی اثر نہیں

جاگا ہوں آدھی رات کو کیوں ہڑبڑا کے میں
آنگن میں ہے وہ چاندنی وقتِ سحر نہیں

راضی تری رضا پہ ہوں روزِ ازل سے میں
دامن ملا ہے جب سے ترا مجھ کو ڈر نہیں

احسان بڑھ کے خدمتِ خلقِ خدا کرو
جو دوسروں کے کام نہ آئے بشر نہیں

ہے زاہد زہد میں پکا یہ سب کہنے کی باتیں ہیں
نہیں ہے طالبِ دنیا یہ سب کہنے کی باتیں ہیں

کسی شے سے غرض رکھتا نہ ہو جو زندگانی میں
نہیں ہے ایک بھی ایسا یہ سب کہنے کی باتیں ہیں

وہ پیاسا کیسے ہو سکتا ہے جب پانی میں رہتا ہے
نہیں ساحل بھی پیاسا یہ سب کہنے کی باتیں ہیں

خدا تو ہر جگہ موجود رہتا ہے دو عالم میں
وہ کب ہے عرش پر تنہا یہ سب کہنے کی باتیں ہیں

نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے فراقِ یار میں احساںؔ
تو پھر ہے کس طرح زندہ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں

○

دَیر والے نماز کیا جانیں
لطفِ عجز و نیاز کیا جانیں

شمع کو جلتا دیکھنے والے
اس کا سوز و گداز کیا جانیں

ناز ہیں جن کی آنکھ کھلتی ہے
وہ مقامِ نیاز کیا جانیں

سیج پر سونے والے غفلت میں
وہ حقیقت کا راز کیا جانیں

بجتی رہتی ہے کیسی خاموشی
سونے والے یہ ساز کیا جانیں

کارسازی پہ ہے ہماری نگاہ
کون ہے کارساز کیا جانیں

جو دلی مدعا ہے احساں کا
دل ہی دل میں ہے راز کیا جانیں

○

ا پہ ستم کرتے ہیں
ی کا جو غم کرتے ہیں

جور و ستم کرتے ہیں
ر کرم کرتے ہیں

ہے ہرا اک گلشن کو
سکا الم کرتے ہیں

ش کے ستم کا مقصد
ہ ستم کرتے ہیں

ب سے مسلماں احساں
ستم کرتے ہیں

○

تری محفل سجانا چاہتا ہوں
خوشی سے مسکرانا چاہتا ہوں

نظر ان سے ملانا چاہتا ہوں
میں اپنا غم مٹانا چاہتا ہوں

کسی کی یاد ہے ہر وقت دل میں
اسی کے گیت گانا چاہتا ہوں

تجھے اے چارہ گر اک روز کھل کر
میں اپنے غم دکھانا چاہتا ہوں

بسا کر اپنے دل میں یادِ جاناں
اسے اپنا بنانا چاہتا ہوں

بیاباں میں بنا کر میں نشیمن
بیاباں کو بسانا چاہتا ہوں

مٹا کر اپنی ہستی آج احساںؔ!
اسے نزدیک پانا چاہتا ہوں

○

ایسا نہیں ہے دن کوئی جس میں کہ غم نہیں
دنیا ہمارے حق میں جہنم سے کم نہیں

یارب ترے کرم ہی سے قائم ہے یہ جہاں
زندہ ہیں لوگ کیا یہ دلیلِ کرم نہیں

برزخ مرا مقام ہے تا حشر بالیقیں
جنت ہے اس کے بعد تو پھر کوئی غم نہیں

دشمن بھی چاہتا ہے تمہیں یہ خیال خام
غم دل میں جب نہیں ہے تو آنکھیں بھی نم نہیں

تحریر تو قلم کی ہے تلوار سے بھی تیز
اندازہ کیا ہو ان کو جو اہلِ قلم نہیں

دیتے ہی جان لوگ پہنچ جاتے ہیں وہاں
راہوں کی طرح دوسری راہِ عدم نہیں

روتے ہیں اس لئے کہ اسے یاد کر سکیں
احسان ورنہ رونے پہ مجبور ہم نہیں

○

گل و لالہ پہ وہ نکھار نہیں
میرے گلشن میں کیوں بہار نہیں

قوم غافل ہے ہوشیار نہیں
اس کا اقوام میں شمار نہیں

جن کی نظروں میں مکر ہے یارو
ان حسینوں کا اعتبار نہیں

جو حقیقت میں کام آ نہ سکے
بندۂ وقت ہے وہ یار نہیں

کیوں نہ دل آپ ہی کو دے ڈالوں
اس پہ جب کوئی اختیار نہیں

رکھو احساںؔ بہت سنبھل کے قدم
راہِ غم ہے یہ سبزہ زار نہیں

○

ہیں بہاریں تو مگر رنگ بہاروں میں نہیں
جاذبیت کوئی پھولوں کے اشاروں میں نہیں

کوئی نظروں سے ہے روپوش نظاروں میں نہیں
کیا ثبوت اس کا دل آویز بہاروں میں نہیں

دیکھنے والی نظر ہو تو نظر آتا ہے
کیا نہیں شمس و قمر میں وہ ستاروں میں نہیں

تو نے کھینچا ہے جو فردوس کا نقشہ واعظ
ایسی تفصیل تو قرآن کے پاروں میں نہیں

منہ سے یاری کا جتانا تو بہت سہل ہے آج
کام آئے جو نہ مشکل میں وہ یاروں میں نہیں

جل گئے آگ میں اے شمع پتنگے اپنی
دم جلانے کا انہیں تیرے شراروں میں نہیں

تیری باتوں کو یہاں کون سنے گا احساں
جب کہ احکام کا پابند ہزاروں میں نہیں

اس کا ہی نور دیکھا میں نے یہاں سبھی میں
کیا چاند کیا ستارے کیا پھول کیا کلی میں

کھل کر دکھائی دے وہ چاہے ہو نیند ہی میں
دیکھا کرو دل میں رخ کو تاروں کی روشنی میں

ہرگز برا نہ کہنا کچھ سن کے دشمنی میں
اچھا نہیں ہے شکوہ یاروں کا دوستی میں

کیا ہو گیا ہے مجھکو میری زباں سے سن لو
اکثر میں دل کی باتیں کرتا ہوں بیخودی میں

یہ زندگی خدا سے تم کو عطا ہوئی ہے
جو کام بھی ہیں اچھے کر لو وہ زندگی میں

چاہے زباں نہ کھولے پاسِ ادب سے کوئی
خود چہرہ بولتا ہے احسان بیکسی میں

○

زندگی کیا ہے امانت کے سوا کچھ بھی نہیں
فرض بس اس کی حفاظت کے سوا کچھ بھی نہیں

کر کے معمورِ محبت سے دیا دل اس نے
دیکھیئے دل میں محبت کے سوا کچھ بھی نہیں

موت آئے گی تو دنیا سے چلا جاؤں گا
اور یہ بھی اک اطاعت کے سوا کچھ بھی نہیں

اب تو اے گردشِ ایّام تجھے چین ملا
دیکھ لے مجھ میں نقاہت کے سوا کچھ بھی نہیں

میری قسمت بھی بنا مجھکو بنانے والے
میری قسمت میں تو غربت کے سوا کچھ بھی نہیں

علم ہے اپنی جگہ علم مگر اے احسان
آگہی دل کی بصیرت کے سوا کچھ بھی نہیں

○

○

تکبّر کرنے والوں کے گریباں چاک ہوتے ہیں
چلی جاتی ہے جاں تن سے تو تن بھی خاک ہوتے ہیں

نگاہ اپنی اٹھا کر عہدِ ماضی کی طرف دیکھو
وطن پر مرنے والے کس قدر بے باک ہوتے ہیں

جدائی کو ہو مسلسل تو نہیں معلوم کیا ہوگا
جدائی کے دو لمحے بھی بڑے غمناک ہوتے ہیں

نہ جاؤ سادگی پر حسن والوں کی نظر والو
یہ بھولے بھالے اندر سے بڑے سفّاک ہوتے ہیں

اڑا دیتے ہیں میری بات کو باتوں ہی باتوں میں
وہ منوانے میں بات اپنی بہت چالاک ہوتے ہیں

فلک اک چاند پر اپنے بہت نازاں ہے اے آسیؔ
زمیں پر سینکڑوں رشکِ مہِ افلاک ہوتے ہیں

○

میں اشکوں کے لعل و گہر بیچتا ہوں
بہت سستے داموں میں زر بیچتا ہوں

میں کیا بیچتا ہوں اگر کوئی پوچھے
کہوں گا کہ اپنا ہنر بیچتا ہوں

خوشی سے بدلنے غمِ زندگی کو
شب و روز خونِ جگر بیچتا ہوں

نہ پوچھو مرے پاس بکتا ہے کیا کیا
سمجھ لو کہ میں گھر کا گھر بیچتا ہوں

کٹی زندگانی اندھیرے میں احسانؔ
میں اب وقتِ آخر سحر بیچتا ہوں

دل میں کس شخص کے کیا ہے تجھے معلوم نہیں
یہ زمانہ ہی بُرا ہے تجھے معلوم نہیں

زہر بھی مجھکو پلا دے تو میں جی اُٹھوں گا
تیرے ہاتھوں میں شفا ہے تجھے معلوم نہیں

دیکھکر ان کو خفا جان نہ دے دے اپنی
حسن والوں کی ادا ہے تجھے معلوم نہیں

اپنی تدبیر کئے جا کبھی مایوس نہ ہو
کیا مقدر میں لکھا ہے تجھے معلوم نہیں

زندگی ایک سفر ہے نہیں منزل اس کی
موڑ پر اگلے قضا ہے تجھے معلوم نہیں

حسن و خوبی سے بنایا ہے خدا نے تجھکو
اس کا احسان بڑا ہے تجھے معلوم نہیں

○

دل میں جو لوگ تری یاد بسا لیتے ہیں
دونوں عالم میں وہ قسمت کو بنا لیتے ہیں

جب ترے در پہ جبیں اپنی جھکا لیتے ہیں
خاکِ در کو بھی ہم آنکھوں میں بسا لیتے ہیں

درد اٹھتا ہے تو سینے سے لگا لیتے ہیں
اور پھر چپکے سے آنسو بھی بہا لیتے ہیں!

عشق والوں کا عجب حال ہوا کرتا ہے
آپ اپنے ہی کو احوال سنا لیتے ہیں

شانِ مومن کو کیا حسن سے خالدؓ نے عیاں
تیر بھی سینے پہ ہنستے ہوئے کھا لیتے ہیں

مرد کامل ہیں جو پی جاتے ہیں غصہ اپنا
آگ کو سینے کی وہ خود ہی بجھا لیتے ہیں

دیکھ سکتے نہیں احسانؔ ہم ایسے منظر
خون بہتا ہو تو پلکوں سے اٹھا لیتے ہیں

○

○

افسوس کہ ہم ذکرِ خدا بھول گئے ہیں
ہے کتنی بھیانک یہ خطا بھول گئے ہیں

الفت کے پرستار انا بھول گئے ہیں
تہذیب کے پردے میں وفا بھول گئے ہیں

غیروں کے بھروسے پہ دعا بھول گئے ہیں
مہلک ہے مرض اور دوا بھول گئے ہیں

ہر کام تکلف کا بناوٹ کی ہے ہر بات
روتے ہیں تو رونے کی ادا بھول گئے ہیں

احسان کا بدلہ بھی تو احسان ہے احسان
وہ لوگ ہے کیسے جو جزا بھول گئے ہیں

○

رہتا ہے تصور تیرا ہر وقت نظر میں
کرتا ہوں نظارے ہیں نئے شام و سحر میں

بڑھتا ہوں دلیری سے ہر اک راہ گزر میں
وہ حوصلہ دیتا ہے مجھے خوف و خطر میں

غم ساتھ ہے سائے کی طرح روزِ ازل سے
بہتے ہوئے آنسو نہ تھمے دیدۂ تر میں

دنیا سے مرا خاتمہ بالخیر ہو یارب
جو کچھ بھی گزرنا ہے گزر جائے سفر میں

اس واسطے منظر نظر آتے ہیں سہانے
ہوتا ہے فرشتوں کا گزر شام و سحر میں

پرواز تو صیاد پرندے کی ہے جاری
ممکن ہے ترا تیر لگا ہی نہ ہو پر میں

احسان پسِ مرگ حیات اور بھی اک ہے
انسان سفر میں ہے مسلسل ہے سفر میں

آؤ وطن کو اپنے جنّت نشاں بنا لو
امن و اماں کا سکّہ دل پر ذرا جما لو

مذہب کے نام پر یوں لڑنا نہیں ہے اچھّا
رسم و رواج اپنے حکمت سے تم سنبھالو

دل میں نہ ہو کدورت دل عرش ہے خدا کا
دل صاف کر کے اس کو آئینہ تم بنا لو

دنیا کا یہ اندھیرا ہو جائے دور تم سے
اوروں کے کام آ کر ان سے سدا دعا لو

رہتے ہیں ہند و مسلم اک آسماں کے نیچے
آپس میں بیر کیوں ہے بچھڑوں کو تم منا لو

اچھے بھلے دلوں میں بوئے گئے ہیں کانٹے
احسانؔ اب وہ کانٹے چن چن کے تم نکالو

بخشی گئی ہے شان انوکھی گلاب کو
ڈر ہے نظر لگے نہ کہیں آب و تاب کو

بس ہے کہ میں نے دیکھ لیا ماہتاب کو
صدیوں کے بعد چاک کیا ہے نقاب کو

اس اہتمام سے کوئی پہنچا شباب کو
جی چاہتا ہے پیار کروں انقلاب کو

دیکھا ہے میں نے رات کو ایسا حسین خواب
الفاظ ہی نہیں ہیں بیاں کرنے خواب کو

پوچھا تو یہ گناہ نہ چھوڑیں گے عمر بھر
باقی ہیں کتنے دن ابھی روزِ حساب کو

خاروں میں زندہ رہنا اگر تم کو راس ہے
دیکھو نہ آنکھ اُٹھا کے بھی ہرگز گلاب کو

کیا اعتبار اس کا ابھی ہے ابھی نہیں
احسان دور سے بھی نہ چھیڑو حباب کو

عشرت کی زندگی کو تم زندگی نہ سمجھو
تاروں کی روشنی ہے یہ، چاندنی نہ سمجھو

سورج کی روشنی سے روشن ہیں چاند تارے
ذاتی کہیں تم ان کی یہ روشنی نہ سمجھو

عشق و جنوں نے مجھ کو بے خود بنا دیا ہے
بے چارگی کو میری آوارگی نہ سمجھو

روداد میری سن کر روتا ہے سارا عالم
رونے کو میرے یارو اک دل لگی نہ سمجھو

جو دوست ہے تمہارا عیبوں کو ٹوکتا ہے
تم اس کی خیر خواہی کو دشمنی نہ سمجھو

اللہ کی بندگی میں ہے زندگی بقا کی
بے لطف بندگی ہے ایسا کبھی نہ سمجھو

جو ہے مقام اس کا مل جائے گا وہ اس کو
احساںؔ کی کاوشوں کو تم شاعری نہ سمجھو

گلوں کی ڈھلنے والی ہے جوانی دیکھتے جاؤ
یہاں ہر چیز ہے فانی ہی فانی دیکھتے جاؤ

چمن میں طائرانِ خوش نوا آزاد پھرتے ہیں
قفس میں آکے ان کی بے زبانی دیکھتے جاؤ

گئے ہیں زندگی سے ہاتھ دھو کر نامور کتنے
رہی کس کی بہارِ زندگانی دیکھتے جاؤ

نہیں ہے خوش بیانوں کی کمی ویسے تو دنیا میں
ہماری بھی ہے کیسی خوش بیانی دیکھتے جاؤ

ہوئے ہو غرقِ حیرت دیکھ کر تم آبشاروں کو
ہے ان سے بڑھ کر اشکوں کی روانی دیکھتے جاؤ

محبت کرنے والے سو گئے ہیں تاج میں آ کر
ہے ان کی سنگِ مرمر میں نشانی دیکھتے جاؤ

کافی ہے تصوّر میں گر صورتِ جاناں ہو
دل میرا بہلتا ہے صحرا ہو گلستاں ہو

پا جانا بلندی کا آساں سے بھی آساں ہو
پستی میں بلندی کا احساس جو پنہاں ہو

میں نے جسے دیکھا ہے دنیا کو دکھا دوں گا
اس کے لئے لازم ہے ایسا کوئی ساماں ہو

اس موت کے پنجے سے اب تک نہ بچا کوئی
دارا ہو، سکندر ہو، یا کوئی سلیماں ہو

اک دن ترے قدموں میں جھک جائے گی یہ دنیا
ہاں شرط مگر یہ ہے پہلے تو مسلماں ہو

ہے شرط یہی اس کی دے دل سے صدا اس کو
کیسی ہی وہ مشکل ہو آسان سے آساں ہو

مقصد ہے ترا اعلیٰ کرنا ہے اگر حاصل
دنیا کی نگاہوں میں ہر طور سے انساں ہو

امید خدا سے رکھ بخشے گا خدا تجھکو
لیکن ترے دامن میں بخشش کا وہ ساماں ہو

ہو پیشِ نظر تیرے ہمدردیٔ انساں بھی
لفظاً ہے بہت اچھا معنیٰ میں بھی احساں ہو

○

قطعہ

سچائی کا سبق ملتا ہے ہم کو غوث اعظم سے
سچائی آڑے وقتوں میں بھی سب کے کام آتی ہے
سچائی کام ہی آتی نہیں انساں کرے احساں
سچائی ہر قدم پر راستہ حق کا دکھاتی ہے

○

اب مرے پیشِ نظر پاک حرم ہے دیکھو
میں یہاں پہنچا ہوں یہ اس کا کرم ہے دیکھو

جستجو اور تمنا تو بہت ہے دل میں
ان کا دامن ہی مرا آج بھرم ہے دیکھو

میری روداد سنو تم نہ بہاؤ آنسو
میری روداد میں درد اور الم ہے دیکھو

وقت ڈھاتا ہے ستم ان کی جفائیں ہیں الگ
آئے دن مجھ پہ نیا جور و ستم ہے دیکھو

داستاں غم کی سنا کر تو کیا ہے احساں
دل مرا چاک کرو اور بھی غم ہے دیکھو

حد سے بڑھے گا درد تو کیوں آنکھ تر نہ ہو
یہ بھی ہے کوئی بات کہ ان کو خبر نہ ہو

جس دن کا انتظار تھا وہ دن بھی آگیا
بس اب شبِ وصال کی یارب سحر نہ ہو

اپنے بھی اور غیر بھی کوچے میں جمع ہیں
جھگڑا جہاں ہو کاش تمہارا وہ در نہ ہو

پہنچا ہوں بے خودی میں اک ایسے مقام پر
خود مجھ کو جس مقام پہ اپنی خبر نہ ہو

احسان تیرے دل میں زمانے کا درد ہے
ہمدرد بن ہر ایک کا ہاں نوحہ گر نہ ہو

حسرت بھرا ہے دل مراد ید ار بھی تو ہو
جلوہ کوئی دکھانے کو تیار بھی تو ہو

لذّت ملے گی تجھکو فراقِ رسولؐ میں
عشقِ رسول کا تو طلبگار بھی تو ہو

کیا فائدہ چمن میں اگر آگئی بہار
مینا و مے تو ہیں کوئی دلدار بھی تو ہو

میں تیز دھوپ میں بھی سفر کر تو لوں مگر
دم لینے کو کہیں کوئی دیوار بھی تو ہو

مرنے کے بعد لے کے میں جنّت کو کیا کروں
جنّت میں مجھکو آپ کا دیدار بھی تو ہو

واعظ بھی میری طرح ہو رحمت کا مستحق
لیکن یہ شرط ہے کہ گنہگار بھی تو ہو

احساںؔ کوئی مائلِ درماں ہو کس لئے
بیمار تو ہے صورتِ بیمار بھی تو ہو

○

ہو گئی ان کی آنکھ تر دیکھو
میری آہوں کا یہ اثر دیکھو

غم کی روداد پوچھتے کیوں ہو
میرا سینہ مرا جگر دیکھو

شاعروں کے کلام میں پہلے
ہے کہاں تک ذرا اثر دیکھو

گل تو ہنستے ہیں رنگ و بو پا کر
کیوں ہے نرگس کی چشم تر دیکھو

کیا سہانی ہے رات تاروں کی
اور جوبن پہ ہے قمر دیکھو

چاہتے گر ہو ذات کا عرفاں
چشم باطن سے اک نظر دیکھو

روئے جاناں کا ہو گا اندازہ
جگمگاتا ہوا قمر دیکھو

اس کو کس رخ سے کس طرح دیکھیں
ہر ادا کہتی ہے اِدھر دیکھو

ہم پہ ہو گا بہت بڑا احساں
گر لگاوٹ سے اک نظر دیکھو

○

قطعہ

•

زندگانی کا تقاضہ کیا ہے
اور ہم نے اسے سمجھا کیا ہے
سوچنا چاہیئے ٹھنڈے دل سے
کیا کیا ہے ہمیں کرنا کیا ہے

○

کیسے سناؤں اپنا میں دکھ بھرا افسانہ
ہے ان سے بڑھ کے ظالم جتنے ہیں مرے زمانہ

روداد میری سن کر کہنے لگا زمانہ
فرہاد و قیس سے ہے ملتا ہوا افسانہ

دنیا و زندگی کی یہ شرح مختصر ہے
دو دن کی کاروائی دو دن کا کارخانہ

کہتے ہیں جس کو دنیا ہے اک سرائے فانی
سو سال بھی گزارو پھر بھی نہیں ٹھکانہ

یارب یہ میرے دل کی دیرینہ آرزو ہے
میری جبیں کے قابل مل جائے آستانہ

میری غزل کو سن کر غمناک ہیں سب آنکھیں
دیوانہ مانتا ہے پھر بھی مجھے زمانہ

اس کی طرح ہو یارب آفت زدہ نہ کوئی
تجھ سے یہی دعا ہے احساں کی نیچگانہ

ہم اور طرز کے ہیں کچھ اور ہے زمانہ
راہب کو ہو مبارک یہ طرزِ راہبانہ

جو کچھ بھی دیکھتا ہوں لاتا ہوں وہ زباں پر
لیکن یقین اس کا کرتا نہیں زمانہ

جینا ہے یاد اس کی مرنا ہے ہجر اس کا
اتنی ہے بس کہانی اتنا ہے بس فسانہ

محفوظ رکھ الٰہی بجلی سے گلستاں کو
صدقہ ہے گلستاں پر یہ میرا آشیانہ

گلشن میں کہہ رہا ہے آنسو بہا کے بلبل
گلشن سے اٹھ گیا ہے اب میرا آب و دانہ

دشمن نے کہہ دیا تھا وعدہ وفا نہ کرنا
معلوم سب ہے مجھکو اب کر نہ کچھ بہانہ

جو لوگ فرض پورا کرتے نہیں ہیں احساں
بنتا ہے ان کے حق میں خود وقت تازیانہ

ہو جس دل میں دنیا کی چاہت زیادہ
وہ لائے گی اس پر مصیبت زیادہ

رکھو نیک لوگوں سے صحبت زیادہ
کہ آجائے تم میں شرافت زیادہ

کرو چند لفظوں میں تم بات اپنی
نہ ہو بات کرنے کی عادت زیادہ

نہیں انتہا اب گرانی کی کوئی
کہ ہر روز ہوتی ہے قیمت زیادہ

ہیں بندے خدا کے سب آپس میں بھائی
کرو بھائیوں سے نہ نفرت زیادہ

نہ حاتم سہی اصل حاتم بنو تم
کرو ہو سکے تو سخاوت زیادہ

ضروری ہے انساں کو راحت بھی لیکن
نہ چاہو ہمیشہ فراغت زیادہ

اگر مال ہو تو کفایت کرو تم
کفایت سے ہوتی ہے دولت زیادہ

بزرگوں کی خدمت ضروری ہے احسان
خود آجائے گی دل میں وسعت زیادہ

قطعہ

اُستادِ محترم ہیں ظہیر علی عدیل
ماہر ہیں فن میں اور ہے مشقِ سخن طویل
کرتے ہیں یہ کلام میں اصلاح اصول سے
رہتے ہیں ان کے پیشِ نظر دعویٰ و دلیل

○

جب سے کسی کی دل میں وہ الفت نہیں رہی
دنیا میں رہنے کی ہمیں حسرت نہیں رہی

لوگوں میں اب وہ دانش و حکمت نہیں رہی
یا اب سرے سے اس کی ضرورت نہیں رہی

آئی ہے راس کس کو یہاں قدر و منزلت
ہم کو بھی اس کی اس لیے حسرت نہیں رہی

دل دے چکے ہیں غیر کو اب کچھ نہیں رہا
خود اپنے آپ سے بھی محبت نہیں رہی

کیوں لوگ اتنے دور شریعت سے ہو گئے
ایسا نہیں کہ آج شریعت نہیں رہی

ایسا نہیں کہ دیں سے واقف نہیں تھے ہم
یہ اور بات ہے ہمیں فرصت نہیں رہی

احسان ہے خدا کا ملا اس قدر سے مجھے
کچھ اور مانگنے کی ہی حاجت نہیں رہی

○

نظر گھوم کر چار سو رہ گئی
تری دید کی آرزو رہ گئی!

قریں رگِ جاں اگر ہے کوئی
مرے دل میں کیوں جستجو رہ گئی

سنی بات سن کر وہ چپ ہو گئے
مری بات کی آبرو رہ گئی

رہی آہ دل میں تو محفوظ تھی
اثر کے لئے کو بہ کو رہ گئی

سرِ بزم باتوں میں وہ لگ گئے
ادھوری مری گفتگو رہ گئی

وہ غنچے جو مرجھا گئے بن کھلے
انہیں حسرتِ رنگ و بو رہ گئی

ترے ہاتھ احسان کی لاج ہے
خدایا تری آرزو رہ گئی!

○

مختصر اور کریں کتنی کہانی اس کی
ہم نے کچھ بھی نہیں پائی کہ ہے نشانی اس کی

حالِ بیمار بیاں لوگ نہیں کر سکتے
سُنیے کیا دل پہ گزرتی ہے زبانی اس کی

روتے روتے ہی مرا عہدِ جوانی گزرا
پہلوئے غیر کی زینت تھی جوانی اس کی

منہ سے کچھ کہہ نہ سکے صرف اسے سنتے رہے
کر گئی کام بڑا سحر بیانی اس کی

علم سیکھو تو عمل کا بھی چلن ساتھ رہے
اصل جوہر ہے عمل، علم نشانی اس کی

زندگی زندگی تھی جان تھی جب تک احساس
جسم سے جان گئی ختم کہانی اس کی

○

ہم نے خدا کا نام لیا ہے کبھی کبھی
اس کی رضا سے کام لیا ہے کبھی کبھی

سائے کی طرح ساتھ رہے جب بھی رہے
کچھ بے رخی سے کام لیا ہے کبھی کبھی

شرمندگی گناہ پہ کچھ ایسی بڑھ گئی
دامن کو ان کے تھام لیا ہے کبھی کبھی

بازو سے منہ پھرا کے وہ اکثر گزر گئے
ہنستے ہوئے سلام لیا ہے کبھی کبھی

ایسا نہیں کہ بھول گیا ہو مجھے کوئی
محفل میں میرا نام لیا ہے کبھی کبھی

اس نے کیا نہیں فقط احساں پہ انحصار
اغیار سے بھی کام لیا ہے کبھی کبھی

○

جاگتے جاگتے آنکھ تر ہو گئی!
نیند آئی تو کب جب سحر ہو گئی

زلف رخسار پر منتشر ہو گئی
میری آہ و فغاں کارگر ہو گئی

شام کو ان کے آنے کا پیمان تھا
شام سے روتے روتے سحر ہو گئی

زندگی چار دن کی ملی تھی ہمیں
وہ بھی آہ و فغاں میں بسر ہو گئی

داستاں اب مری کچھ ہوئی داستاں
سن کے ظالم کی بھی آنکھ تر ہو گئی

اک اشارہ کیا تو وہ شرما گئے
مختصر بات تھی با اثر ہو گئی

چین احسان کو کب میسر ہوا
بے وفا سے جھگڑتے بسر ہو گئی

جو غم کی ہے کہانی کہہ نہیں سکتی زباں میری
ذرا تم دل کو چھیڑو وہ سنائے گا فغاں میری

کسی کو جب سے چاہا ہے نہ دل میرا نہ جاں میری
یہی بس مختصر سے مختصر ہے داستاں میری

زمیں تیری فلک تیرا نہیں کچھ بھی یہاں میرا
میں وارث ہوں ترا تو پھر وراثت ہے کہاں میری

یہ دنیا بھی ہے تیری اور وہ دنیا بھی تیری ہے
نہ ہوگی ان میں تو ہوگی پذیرائی کہاں میری

نہیں دیکھا کہیں تجھ کو نہیں پایا کہیں تجھ کو
ہوئی ہے جستجو میں عمر ساری رائیگاں میری

گناہوں کا ہوا احساس تو توبہ بھی کرنی ہے
خدا بخشے مجھے بس ہے یہی کل داستاں میری

مرا نالہ گیا عرشِ بریں تک آج اے احساںؔ
خدا کے فضل سے دیکھو رسائی ہے کہاں میری

غم کا درماں تو کیا کرے کوئی
صرف ڈھارس دیا کرے کوئی

کچھ بھی ممکن نہیں قیامت میں
ہو نہ بخشش تو کیا کرے کوئی

ذکر سے فکر دور ہوتی ہے
اللہ اللہ کیا کرے کوئی

ہو برائی اگر نہ فطرت میں
کیوں کسی کا برا کرے کوئی

خود سنبھلنے سے راہ ملتی ہے
بس ذرا حوصلہ کرے کوئی

شعر ایسے ہوں کاش اے احساںؔ
تم سناؤ سنا کرے کوئی!

پھر مصیبت مرے ہی گھر آئی
اور گھر ڈھونڈ ڈھونڈ کر آئی

جب حقیقت مجھے نظر آئی
کیوں خدا جانے آنکھ بھر آئی

جاتے جاتے وہ میرے گھر آئی
راستہ بھول کر سحر آئی

میں کوئی سدِّ باب کر نہ سکا
موت اچانک ہی میرے گھر آئی

غم سے کرتا مقابلہ کیسے!
کوئی صورت نہ اک نظر آئی

دیر تک توبہ کی ہے رو رو کر
شرم احسان کو اگر آئی

ان کے آنے کی کیا خبر آئی
آسماں سے خوشی اتر آئی

یاد ان کی مجھے اگر آئی!
ساتھ ہی بے کلی ابھر آئی

جب بھی آئی بہار گلشن میں
ہر کلی شاخ پر نکھر آئی

میری بربادیوں کی عمر دراز
اک زمانے کی آنکھ بھر آئی

مسکرائے وہ یوں ہی اے احساںؔ
اور میری امید بر آئی

○

یادِ خدا رہے تو عبادت ہے زندگی
خطرہ نہیں ہے کوئی سلامت ہے زندگی

دراصل اک خدا کی عنایت ہے زندگی
گزرے جو نیکیوں میں تو نعمت ہے زندگی

دنیا میں شاہکارِ محبّت ہے زندگی
دل کو رہے سکون تو جنّت ہے زندگی

اچھّے اگر عمل ہیں تو رحمت ہے زندگی
میدان میں جہاد کے نصرت ہے زندگی

اس میں نہیں گوارا خیانت کوئی مجھے
پروردگار تیری امانت ہے زندگی

آلائشِ زمانہ سے اس کو بچائیے
فطرت کے آئینہ میں صداقت ہے زندگی

ہر ہر نفس میں اس کے ازل کی بہار ہے
گلزارِ کائینات میں نکہت ہے زندگی

جو زندگی کا حق ہے اگر وہ ادا نہ ہو
انساں کے حق میں وجہ ندامت ہے زندگی

احسان بندگانِ خدا وہ نہیں ہیں کیا
کیوں نیکیوں کے حق میں قیامت ہے زندگی

قطعہ

کانٹوں سے بچا خود کو گلستاں سے گزر جا
ہو بیچ میں دریا تو بیاباں سے گزر جا
جینے کیلئے جہد ضروری تو ہے لیکن
ایسا بھی نہیں ہے حدِ انساں سے گزر جا

ہے حاجت ابن آدم کو محبت سے سجانے کی
محبت ہی کا صدیوں سے وراثت اس گھرانے کی

کوئی موسم رہے کلیاں برابر مسکراتی ہیں
نہیں کوئی مرض عادت ہے ان کو مسکرانے کی

گھٹا ظلمت کی چھائی تھی چھٹی وہ ان کے قدموں سے
نئے سر سے سنور کر رہ گئی قسمت زمانے کی

سرافرازی ملی ان کو جنھوں نے سر جھکایا ہے
عجب ہوتی ہے دنیا میں فضیلت سر جھکانے کی

حسینؑ ابن علیؓ نے سر کٹایا دین کی خاطر
اثر اس کا ہوا یہ کھل گئیں آنکھیں زمانے کی

سبق احسان کا سیکھو ذرا درگاہِ عارف سے
کبھی جو بات اس نے وہ نہیں سن کر بھلانے کی

زندگانی بسر کیا کیا ہے مہربانی آپ کی
ہے بہت ممنون احساں زندگانی آپ کی

حشر تک قائم رکھے اللہ جوانی آپ کی
پھر سنا دیجئے ذرا ہم کو کہانی آپ کی

لے کے جانِ دل نظر سے چھپ گئے ہیں آپ کیوں
بندہ پرور چاہیئے کچھ تو نشانی آپ کی

زندگی دے کر ہمیں اپنا کہا ہے آپ نے
ہم تھے اس قابل کہاں یہ قدردانی آپ کی

اس حقارت سے نہ احساں آنسوؤں کو دیکھیے
ہیں یہ آنسو کرنے والے ترجمانی آپ کی

○

ہاتھ سے اپنے پلا دے مجھے جام اے ساقی
ہوں غلاموں میں ترا میں بھی غلام اے ساقی

مجھ کو بخشے کہ نہ بخشے تو دوام اے ساقی
ہاں مگر دے دے مجھے میرا مقام اے ساقی

ہے ترے ہاتھ فنا اور بقا ہستی کی !
کہہ دیا تجھ سے تھا کہنا میرا کام اے ساقی

تیری تعریف مکمّل تو نہیں کر سکتا
ہے غنیمت کہ ہے لب پر ترا نام اے ساقی

دینے والا ہے مجھے کون یہاں تیرے سوا !
تو ہی داتا ہے نہیں اس میں کلام اے ساقی

بڑی رسوائی ہے اس میں ترے میخانے کی
دیر سے خالی ہے احسانؔ کا جام اے ساقی

○

فکر کیوں ہے وہ اک کہانی تھی
اور پھر عنبر کی زبانی تھی

چار دن کی ہر اک جوانی تھی
ہو گئی ہے فنا کہ فانی تھی

آپ کیوں خوش ہوئے ہیں باتوں سے
کہنے والے کی خوش بیانی تھی

یہ سمجھ کر بھلا دو ماضی کو
بھولی بسری ہوئی کہانی تھی

یاد اپنی مجھے دلانے کو
غم نہیں تھا وہ اک نشانی تھی

نہیں بہکے تھے خود بخود آدم
وہ بلا ان پہ ناگہانی تھی

ہو گیا حج نصیب احساںؔ کو
اے خدا تیری مہربانی تھی

○

کیا جانے کوئی کس طرح دنیا کی کل چلے
اندازہ ہو سکے گا وہ گر اپنے بل چلے

جودی سے لگ کے نوحؑ کی کشتی ٹھہر گئی
فضلِ خدا سے نوحؑ بھی آگے نکل چلے

سوز و گداز ہے یہ عجب حسن و عشق میں
اک شمع کیا جلی کئی پروانے جل گئے

رستہ غلط تھا جس پہ چلے جا رہے تھے ہم
جیسے ہی آگہی ہوئی رستہ بدل چلے

احسان آج قدرِ قیادت بدل گئی
قائد بنا ہوا ہے وہی جس کا بل چلے

○

ایسی ہے گزرتی ہوئی دنیا مرے آگے
جیسے کوئی روتا ہوا بچہ مرے آگے

سورج یہ چمکنے لگا کیا مرے آگے
کچھ اور ہوا تیز اندھیرا مرے آگے

یہ راز پرندوں کے چہکنے میں ہے مضمر
لیتے ہیں ترا نام ہمیشہ مرے آگے

کیا فکر مجھے جب ہے مرا مالک دنیا
مٹ جائے کہ باقی رہے دنیا مرے آگے

کیا حسرت دیدار رہی بس دل میں رہے گی
کب تک ہے یہ آخر ترا پردا مرے آگے

باتوں میں نہیں وقت گنوانے کا میں قائل
ہر وقت تصوّر ہے عمل کا مرے آگے

بچھڑے ہوئے بندوں کو ملانا ہے خدا سے
ہے وقت کا احسان تقاضہ مرے آگے

○

وقت کی بات ہے جب وقت برا ہوتا ہے
دوست تو دوست ہے سایہ بھی جدا ہوتا ہے

کب خدا کہنے سے انسان خدا ہوتا ہے
ہاں مگر نیک عمل ہوں تو بڑا ہوتا ہے

غم سے گھیرے ہوئے انسان کو سائے کی طرح
غم سے دنیا میں کب انسان رہا ہوتا ہے

لاکھ کوشش کرو حاصل نہیں ہوتا کچھ بھی
وہی ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے

بڑی بے درد ہے وہ نام خزاں ہے جس کا
صرف گل ہی نہیں گلشن بھی فنا ہوتا ہے

اپنے اعمال نظر آتے ہیں احساس اس کو
در بصیرت کا جب انسان پہ وا ہوتا ہے

○

ہیں خود شعلہ بداماں گل وہ کب بجلی سے کم نکلے
نشیمن سے جلن رکھنے میں دونوں ہم قدم نکلے

یہ ہچکولے ہیں کیسے ناؤ میں نزدیک ساحل کے
بڑی مشکل سے تو گرداب سے بچ بچ کے ہم نکلے

قضا کے بعد کیوں نکلیں نہ ہوں کیوں دفن کوچے میں
ترے کوچے سے اپنی زندگی میں جب نہ ہم نکلے

مسرت چل بسی ارمان سارے ہو گئے رخصت
مگر دل سے مرے اب تک نہ ان کے رنج و غم نکلے

محبت حد سے گزرے تو مصیبت ہی مصیبت ہے
نہیں ہوتی کمی اس میں کبھی جب تک نہ دم نکلے

حیاتِ جاودانی بھی ہے مرگِ ناگہانی میں
الگ فطرت کے مالک ہیں مگر دونوں بہم نکلے

عدم کو ہم کسی کے ساتھ جانے بھی نہ تھے راضی
مگر وقت آ گیا احساں تو خود سوئے عدم نکلے

فصلِ گل آئی چمن میں پھول اٹھلانے لگے
اور شاخوں پر پرندے جھوم کر گانے لگے

آتشیں رخسار جب رہ رہ کے یاد آنے لگے
دل میں سینے میں جگر میں آگ سلگانے لگے

عاشق میں اپنی جگہ مصروف یوں دونوں ہوئے
ہم تو تڑپنے لگ گئے وہ بھی تڑپانے لگے

کیوں نہ جانے مفتیوں کی آنکھ بھی نم ہو گئی
دار پر منصور کو جب لوگ لٹکانے لگے

کون لوگوں کو سنائے تو سنائے عشق کی بات
سن بھی سکتے ہیں کہاں جب دل ہی بہکانے لگے

آئینے میں کیا جھلک میری دکھائی دے گئی
یک بہ یک کیوں آپ اپنے میں وہ شرمانے لگے

دور ہوگی کب یہ غفلت کب جہالت جائے گی
فکر سے احساس اب چکر ہمیں آنے لگے

عشق ہو یا حسن ہو اپنی الگ منزل میں ہے
ایک ہے محفل سے باہر اور اک محفل میں ہے

نورِ محبوبِ خدا یہ کون سی منزل میں ہے
وہ تو ہیں طیبہ میں لیکن روشنی ہر دل میں ہے

آئے وہ دنیا میں بن کر رحمت اللعالمین
ان کی رحمت عام ہے ہر سو ہے ہر منزل میں ہے

سر حسینؑ ابنِ علیؑ نے دے دیا حق کے لئے
فرق ظاہر کر دیا وہ جو حق و باطل میں ہے

کچھ عجب نقصان ہے یہ حبِّ اہلِ بیت کا
حُر نے رکھا اک قدم اور آخری منزل میں ہے

نعت کی محفل بھی ہوتی ہے سہانی کس قدر
جا نہیں سکتا وہ اُٹھ کر جو کوئی محفل میں ہے

کچھ نہیں ملتا محمدؐ کے وسیلے کے بغیر
بے وسیلہ سعی داخل سعیٔ لاحاصل میں ہے

درگزر کر کے نبیؐ توفیق اس کو دے چکے
بھول کر سرکار کو اُمّت بڑی مشکل میں ہے

دبدبہ وہ اہلِ ایماں کا دکھا دے پھر خدا
بس یہی ارمان اے احسان میرے دل میں ہے

○

قطعہ

زندگانی کی شام آ پہنچی
کر لو جو کچھ بھی تم کو کرنا ہے
کل کی مہلت نہ ملنے پائے گی
کل تو جینا نہیں ہے مرنا ہے

○

کس نے کہا شبیرؓ کا غم ہم نہیں کرتے
غم کرتے ہیں غم کی طرح ماتم نہیں کرتے

جو حوصلے والے ہیں وہ ہٹتے نہیں پیچھے
دے دیتے ہیں جاں حق کے لئے غم نہیں کرتے

پاتے ہیں شہادت جو وہ ہیں زندۂ جاوید
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

ہوتے ہیں شقی قلب کچھ ایسے بھی جہاں میں
جو اصغرِ معصوم کا بھی غم نہیں کرتے

ثابت کیا یہ قولِ حسینؑ ابنِ علیؓ نے
کٹواتے ہیں سر حق کے لئے خم نہیں کرتے

وہ کونسی خوبی ہے جو قرآں میں نہیں ہے
کیوں پڑھ کے ہم ایمان کو محکم نہیں کرتے

فرقوں ہی میں تقسیم مسلمان ہیں احساںؔ
کیوں خود کو خدا جانے منظم نہیں کرتے

○

اسی شرط پر کوئی دنیا میں آئے
عمل کی جگہ ہے عمل کر کے جائے

یہ موسم سہانا پھر آئے نہ آئے
جب آیا ہے وہ تو ذرا ٹھہر جائے

مجھے میرا دشمن نہ سینے کو آئے
نہ جاؤں گا وہ اس طرح گر بلائے

ادا اس طرح حق جنوں کا کیا ہے
کبھی رو دیئے ہم کبھی مسکرائے

نشیمن جلانے ہے بس آتش گل
فلک سے کہو اب نہ بجلی گرائے

نہ چاہیں گے پھر بھول کر ہم کسی کو
بڑے رنج جھیلے بہت دکھ اٹھائے

کہا ہے جو دشمن نے میں کہہ تو دوں گا
مگر کیا یقیں ہے یقیں ان کو آئے

بچاتے ہوئے خود کو اعمال بد سے
کرو وہ عمل جو وہاں کام آئے

نہیں ہے جزا ایسے احساں کی احساں
کوئی کر کے احساں نہ احساں جتائے

○

سیلاب حوادث میں سنبھلنا سیکھو
رخ ان کا سمندر میں بدلنا سیکھو
احسان اگر یہ نہیں کر سکتے ہو
بہتر ہے یہی بچ کے نکلنا سیکھو

○

○

عشق میں رازِ کبریائی ہے
عشق سے اس کی رہنمائی ہے

آپؐ نے راہِ عشق دکھائی ہے
واہ کیا خوب رہنمائی ہے

عشق سے زندگی میں ہے ہلچل
عشق کی ساری کارروائی ہے

عشق پر زور کچھ نہیں چلتا
بے سبب زور آزمائی ہے

جل رہے ہیں خوشی سے پروانے
عشق نے آگ ایسی پائی ہے

ہوں نہ آدابِ عشق گر ملحوظ
عشق پھر کیا ہے جگ ہنسائی ہے

عشق سے ہو گیا بلند احساس
ورنہ وہ کیا ہے ایک رائی ہے

○

○

گھر کے جب کالی گھٹا چھائی ہے
میکدے کی ہمیں یاد آئی ہے

بادۂ عشق میں بڑھتا ہے مجھے
کون ڈرتا ہے کہ رسوائی ہے

باغ میں غنچے کھلے جاتے ہیں
دل یہ کہتا ہے بہار آئی ہے

ہاتھ کیوں اٹھتے ہیں دشمن کی طرف
آج کیسی تری انگڑائی ہے

نم ہوئی آنکھ نہ میرے غم پر
الٹے ظالم کو ہنسی آئی ہے

دل اسیرانِ قفس کا رکھنے
بوئے گل اڑتی ہوئی آئی ہے

جب کسی نے نہیں پوچھا غم میں
سب کو احسان کی یاد آئی ہے

○

O

محبّت ہو اگر دل میں تو غم سے پیار ہوتا ہے
وگرنہ دل کے حق میں وہ مثالِ غار ہوتا ہے

بغیرِ گل کوئی گل کب گلِ گلزار ہوتا ہے
نکل جاتی ہے جاں تن سے تو تن بیکار ہوتا ہے

اسی علم و عمل سے آدمی شہکار ہوتا ہے
نہ ہو علم و ہنر تو وہ زمیں پر بار ہوتا ہے

بلندی پر پہنچتے ہی نہیں رہتا جو آپے میں
بلندی سے وہ گرتے ہی ذلیل و خوار ہوتا ہے

نکل جاتا ہے کوئی تیر جب ان کی نگاہوں سے
نشانہ ایسا لیتا ہے کہ دل کے پار ہوتا ہے

خدا کے نام پر مانگو خدا کی ذات سے مانگو
خدا قدرت سے دیتا ہے خدا مختار ہوتا ہے

خدا کی راہ میں اک بار دیتا ہے اگر کوئی!
کرم اس کا نہ پوچھو اس پہ کتنی بار ہوتا ہے

جھکا دے اپنے سر کو عاجزی سے انکساری سے
یہاں ہوتا ہے جو عاجز وہی سردار ہوتا ہے

شرف بخشا ہے احساں اس نے ہم کو زندگی دیکر
بس اب یہ دیکھنا باقی ہے کب دیدار ہوتا ہے

○

قطعہ

کون کہتا ہے تہی داماں ہیں
دل ہے اک اس میں کئی ارماں ہیں
تم الٹ کر ذرا دیکھو اوراق
زندگانی کے کئی عنواں ہیں

○

ہاتھ سے گیسو کو لہرا کر ہنسے
پھر وہ ان کو رخ پہ بکھرا کر ہنسے

پہلے کچھ وہ زیرِ لب گا کر ہنسے
ہنستے ہنستے خود ہی شرما کر ہنسے

پڑھتے پڑھتے خط کو شرما کر ہنسے
دیکھنے والوں کو تڑپا کر ہنسے

خلد سے دنیا میں ہم آ کر ہنسے
چار دن دل اس سے بہلا کر ہنسے

غیر کے پہلو سے اٹھ کر آئے تھے
دیکھتے ہی ہم کو گھبرا کر ہنسے

چاہی جب تصدیق اک افواہ کی
وہ مرے سر کی قسم کھا کر ہنسے

رہ گئے منہ دیکھتے احسانؔ ہم
اپنی باتوں کو وہ منوا کر ہنسے

حقیقت کیا تھی دنیا کی مرے شبیرؑ کے آگے
اُلٹ دیتے تھے صف کی صف وہ اپنے تیور کے آگے

نہ پھٹ کر گر پڑا کیوں آسماں میدان کربل میں
ستم ڈھایا گیا اصغرؑ پہ جب شبیرؑ کے آگے

زباں سے اُف نہیں نکلی ذرا یہ صبر تو دیکھو
کئی لاشے تھے بے گور و کفن شبیرؑ کے آگے

نہ جانے بازوئے اکبرؑ میں یہ طاقت کہاں کی تھی
نہ ٹھہرا کوئی بھی چلتی ہوئی شمشیر کے آگے

اگر پتھر بھی ہوتا تو پگھل کر موم ہو جاتا
مگر ظالم نہ پگھلے آپ کی تقریر کے آگے

ستم جھیلے ہیں اُمت کے لئے کتنے ہی لالِ آسماں
مگر خاموش تھے تقدیر کی تحریر کے آگے

ہم نہیں ہیں پستیوں میں گردشِ ایام سے
یہ سزا غفلت کی ہے اللہ کے احکام سے

دی تھی جو عزت خدا نے زندگی کے نام سے
کی نہ اس کی قدر ہو کر بے خبر انجام سے

ہوں عمل ایسے نہ ہم سے جو ہیں اُن کو ناپسند
ورنہ ہم رہنے نہ پائیں گے وہاں آرام سے

اللہ اللہ کیا فضا ہے آستانِ یار کی
واسطہ ہی کچھ نہیں ہے ہم کو صبح و شام سے

کیوں غریبی پر ہماری ہنس رہے ہو دوستو
دشمنی اچھی نہیں ہے دوستی کے نام سے

زندگی فانی ہے انساں شکر کر جب تک بھی ہے
ہو نہ غافل روز و شب میں ڈوب کر انجام سے

○

وہ مومن ہے جو دل کو نورِ ایماں سے سجاتا ہے
پھر اس کے بعد ڈٹ کر زورِ باطل کو مٹاتا ہے

ہے یہ باغ جہاں اس کا وہی اس کو سجاتا ہے
اگر سوکھے کوئی پودا نیا پودا لگاتا ہے

جدھر دیکھوں ترا جلوہ جدھر دیکھوں ترا مسکن
میری آنکھوں میں تو ہے یا ترا جلوہ سماتا ہے

نہیں کیوں رزق کی ہو فکر ہے اس کا کرم ہم پر
خدا رزاق ہے ہر کوئی اس سے رزق پاتا ہے

یہ ہے اک معجزہ سرکار کی چشمِ عنایت کا
جو سر لینے کو آیا تھا وہ سر اپنا جھکاتا ہے

خزاں کا دور جاتا ہے بہار آتی ہے گلشن میں
نہیں ہے مستقل موسم کوئی آتا ہے جاتا ہے

نظر پڑتے ہی ہم پر کیسی ہل چل ہے ترے دل میں
نہ کھولے بھی زباں تو کیا ترا چہرہ سناتا ہے

جزا اعمال کی آنکھوں سے دیکھے گا وہ محشر میں
خدا قدرت سے مردے کو بھی محشر میں اٹھاتا ہے

مقدر کا لکھا مل کر رہے گا تجھکو اے احساں
بھروسہ رکھ خدا پر تو بھروسہ کام آتا ہے

○

قطعہ

میری آہوں کا اثر بکتا ہے
خونِ دل خونِ جگر بکتا ہے
اک مسافر کا سفر ختم ہوا
اور سامانِ سفر بکتا ہے

○

کوئی دنیا میں آکر اس قدر غافل نہ بن جائے
مسافر تھا نہ اس کے واسطے منزل نہ بن جائے

یہی ہے وجہ جو شیطان اسے بہکاتا رہتا ہے
ہے ڈر انسانِ ناقص سے کہیں کامل نہ بن جائے

ہزاروں خواہشیں دل میں ہزاروں حسرتیں دل میں
وہ دل جو ہے خدا کا گھر کہیں محفل نہ بن جائے

نہ لے جاؤ خیالو ہم کو تم اک ایسی دنیا میں
جہاں سے پھر ہماری واپسی مشکل نہ بن جائے

وہ میرے آنسوؤں سے اس لئے خائف سے رہتے ہیں
لہو دل کا ٹپک کر آنکھ سے پھر دل نہ بن جائے

بھنور سے یہ سمجھ کر ناؤ کو ہم دور رکھتے ہیں
ہماری ناؤ کے حق میں بھنور ساحل نہ بن جائے

بچو باطل سے اے احسان جہاں تک ہو سکے تم
وگرنہ ایک دردِ سر کہیں باطل نہ بن جائے

○

یا الٰہی، ہمیں ہوا کیا ہے
کچھ ہوا ہے تو پھر دوا کیا ہے

شمع پر ہے فدا سرِ محفل
اے پتنگے تجھے ہوا کیا ہے

حسن جب ہے تو عشق بھی ہوگا
پھر خطا کیا ہے اور سزا کیا ہے

تم کہو اور بار بار کہو!!
میرے محبوب کی ادا کیا ہے

ہم سے رونق ہے تیری دنیا کی
ورنہ دنیا میں کچھ رکھا کیا ہے

چار آتے ہیں چار جاتے ہیں
کون جانے یہ ماجرا کیا ہے

جان جاتی ہے پھر نہیں آتی
مصلحت اس میں اے خدا کیا ہے

جب تصوّر میں ہو خدا موجود
پھر کسی کو بھی دیکھنا کیا ہے

پوچھتے ہیں وہ چھیڑ کر احساںؔ
کیسے سمجھاؤں اب وفا کیا ہے

○

قطعہ

•

فرمان سے اللہ کے بغاوت کیسی
اور سر نہ جھکانے کی شرارت کیسی
احساںؔ یہ دنیا ہے سرائے فانی
پھر اس سے تمہیں اتنی محبت کیسی

○

○

جس طرف نکلوں میں دنیا کو خبر ہو جائے
اپنی نظروں میں چھپا لو تو گزر ہو جائے

آہ و زاری سے مری غیر بھی افسردہ ہے
کاش کچھ آپ کے دل پر بھی اثر ہو جائے

میں ہوں بیمارِ محبت کوئی بے ہوش نہیں
نبض پر ہاتھ رکھو تم تو خبر ہو جائے

چاہتا ہوں میں صعوبت سے سفر کی تھک کر
راہ پر کوئی ملے ختم سفر ہو جائے

آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں گا میں دنیا کی طرف
کاش کوچہ میں تمہارے مرا گھر ہو جائے

جب سے انگشت کی زد کا نظر آیا ہے نشاں
ہر ستارے کو تمنا ہے قمر ہو جائے

بعد مدت کے ملاقات کی شب آئی ہے
کون چاہے گا کہ اس شب کی سحر ہو جائے

تہہِ دریا کا کرشمہ ہے کہ اک سیپی میں
بوند پانی کا جمے اور گہر ہو جائے

شوق مالی کو یہاں تک ہے شجر کاری کا
چاہتا ہے کہ ہر اک تخم شجر ہو جائے

شبِ اسریٰ کا خلاصہ نہیں کچھ اس کے سوا
اس کو منظور تھا معراجِ بشر ہو جائے

سو قدم کا ہے ثواب ایک قدم پر جس میں
کاش انساں کو میسر وہ سفر ہو جائے

کب کسی کی حیات باقی ہے
صرف اللہ کی ذات باقی ہے

دن گزرنے پہ رات باقی تھی
رات گزری تو بات باقی ہے

موت سے کہد و بعد میں آئے
فکرِ عقبیٰ کی بات باقی ہے

لفظِ کُن سے ہوا جہاں پیدا
لفظ کن باللغات باقی ہے

ہے لڑائی تو صلح ہو جائے
وقت کافی ہے رات باقی ہے

رات دن فکر ہے یہ احساںؔ کو
ہو چکا سب نجات باقی ہے

○

بیٹھا ہوں آگے حسن کے کیا کیا لیے ہوئے
لب پر ہنسی ہے دل میں تمنا لیے ہوئے

پائے ذرا سکون نہیں جنگل میں تھا مقیم
جنگل میں آئے مور تماشا لیے ہوئے

وہ آرہے ہیں سیر گلستاں کے واسطے
طائر چہک رہے ہیں یہ مژدہ لیے ہوئے

بے وجہ بند بند نہیں غنچے باغ میں
آنکھوں میں ہیں یہ پھول کا سپنا لیے ہوئے

احسان جس خدا نے بنایا ہے پل صراط
گزروں گا میں اسی کا سہارا لیے ہوئے

○

مقابل میں رہو جب تک رہا کرتا ہے عکس ان میں
مقابل سے ہٹو تو آئینہ دیوار رہتا ہے

○

دامن ترا وحشت میں اگر چاک نہیں ہے
وحشت میں ہے یہ نقص کہ چالاک نہیں ہے

چھوتا بھی نہیں ہے وہ کسی ایسی غذا کو
شاہین کی نظروں میں اگر پاک نہیں ہے

افسوس یہ ہے گر کے کہیں کی نہ رہی برق
کچھ مجھ کو ملالِ خس و خاشاک نہیں ہے

کر بیٹھا ہے ترکیب سے تسخیر قمر کو
انساں کی طرح کوئی بھی چالاک نہیں ہے

کیوں خاک میں ملنے کا ہمیں رنج ہو احساس
تخلیق ہوئی جس سے وہ کیا خاک نہیں ہے

جب میرے شعر درد کے سانچوں میں ڈھل گئے
جو سنگ دل تھے وہ بھی بالآخر پگھل گئے

دیکھا جو سوزِ شمع پتنگے مچل گئے
پگلے بھی ایسے دیکھنے والے دہل گئے

آیا ترا خیال تو اندیشے ٹل گئے
جو دل میں تھے مقیم وہ رہزن نکل گئے

باطل کو آگ لگ گئی ایماں کے نور سے
حیرت ہے روشنی سے بھی شیطان جل گئے

وہ میر ہو کہ ذوق ہو غالب ہو داغ ہو
جاتے ہوئے وہ لے کے کمالِ غزل گئے

احسان زندگی کی ہے یہ شرح مختصر
دنیا میں ہم رہے کہاں آج آئے کل گئے